SENATE OF PAKISTAN

SENATE DEBATES

Sunday, February 28, 1993

The Senate of Pakistan met in the Senate Hall (Parliament House) Islamabad, at eighteen minutes after ten of the clock in the morning, with Mr. Chairman (Mr. Wasim Sajjad) in the Chair.

Recitation from the Holy Quran

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ان ربکم اللہ ۔الذی خلق السمٰوت والارض فی ستہ
ایام ثم استوی علی العرش یدبرالامر مامن شفیع الا
من بعد اذنہ ذلکم اللہ ربکم فاعبدوہ افلا تذکرونo
ہوالذی جعل الشمس ضیاء والقمر نوراً و قدرہ منازل
لتعلموا عددالسنین والحساب ما خلق اللہ ذلکم الا
بالحق یفصل الایت لقوم یعلمون o

ترجمہ : تمہارا پروردگار تو خدا ہی ہے جس نے آسمان اور زمین چھ دن میں
بنایا پھر عرش (تخت شاہی) پر قائم ہوا وہی ہر ایک کام کا انتظام کرتا ہے۔ کوئی

SENATE OF PAKISTAN

SENATE DEBATES

Sunday, February 28, 1993

The Senate of Pakistan met in the Senate Hall (Parliament House) Islamabad, at eighteen minutes after ten of the clock in the morning, with Mr. Chairman (Mr. Wasim Sajjad) in the Chair.

Recitation from the Holy Quran

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ان ربکم اللہ الذی خلق السمٰوت والارض فی ستہ
ایام ثم استوی علی العرش یدبرالامر مامن شفیع الا
من بعد اذنہ ذلکم اللہ ربکم فاعبدوہ افلا تذکرونo
ہوالذی جعل الشمس ضیاء والقمر نوراً و قدرہ منازل
لتعلموا عددالسنین والحساب ما خلق اللہ ذلکم الا
بالحق یفصل الایت لقوم یعلمون o

ترجمہ : تمہارا پروردگار تو خدا ہی ہے جس نے آسمان اور زمین چھ دن میں
بنایا پھر عرش (تخت شاہی) پر قائم ہوا وہی ہر ایک کام کا انتظام کرتا ہے۔ کوئی

(اس کے پاس) اس کا اذن حاصل کئے بغیر (کسی کی) سفارش نہیں کر سکتا۔ یہی خدا تمہارا پروردگار ہے تو اسی کی عبادت کرو۔ بھلا تم غور کیوں نہیں کرتے۔ وہی تو ہے جس نے سورج کو روشن اور چاند کو منور بنایا اور چاند کی منزلیں مقرر کیں تاکہ تم برسوں کا شمار اور (کاموں کا) حساب معلوم کرو یہ (سب کچھ) خدا نے تدبیر سے پیدا کیا ہے سمجھنے والوں کے لئے وہ اپنی آیتیں کھول کھول کر بیان فرماتا ہے۔

LEAVE OF ABSENCE

جناب چیئرمین: جی چوہدری امیر حسین صاحب لاہور تشریف لے گئے ہیں اس لئے آج وہ اجلاس میں شرکت نہیں کرسکیں گے، سید تسنیم نواز گردیزی صاحب علالت کی بنا پر شرکت نہیں کرسکیں گے۔

Syed Iqbal Haider: Sir, on point of order, if I may.

جناب چیئرمین: آج آپ پہلی دفعہ آئے ہیں اور پوائنٹ آف آرڈر۔

Syed Iqbal Haider: Yes Sir, because I have come all the way with the hope that it is a Private Members Day. The first shock of arrival.....

Mr. Chairman: So, you want to come at the last minute and reverse the decision of the House.

Syed Iqbal Haider: No, Sir, it is not the question of reversing the decision. It is in every session that Privat Member's Day is sacrificed without any hesitation on one pretext or the other.

Mr. Chairman: How? But it was done by the House اور اس میں آپ کے ممبران بھی شامل ہیں

Syed Iqbal Haider: Sir, they are forced by the tyranny of the majority, because, Sir, the last time also there was a Private Member's Day.

Mr. Chairman: Mandokhel Sahib!

Mr. Abdur Rahim Khan Mandokhel: It was agreed.

Syed Iqbal Haider: Sir, it may have been agreed but last time also there was a Private Member's Day which was sacrificed.

جناب چیئرمین: میرا خیال یہ ہے کہ آئندہ کا طریقہ یہ ہے کہ آپ حاضر ہوا کریں ناں لندن کی بجائے یہاں بیٹھا کریں۔

Syed Iqbal Haider: Sir, it was sacrificed and it was not compensated in the last session.

جناب چیئرمین: ابراہیم خان صاحب آپ کو force کیا تھا، جام صاحب آپ کو کسی نے force کیا تھا؟

جناب محمد ابراہیم خان: نہیں سر۔

Syed Iqbal Haider: Sir, my point is little different. In the last sessio also the government/treasury benches were petrified of the Private Member's Day, and sacrificed it last

time on the slightest reason that the debate on the Babri Mosque should continue and they had made a commitment that they will compensate for that Private Member's Day in the last session. It was not compensated and no Private Member's Day was allowed and the same thing has happened now.

جناب چیئرمین: چلیں، اب کوشش کریں گے۔

Muhammad Ali Khan Sahib, I think you are agreed.

Mr. Muhammad Ali Khan: I contacted all the Members of the opposition as well our own and they all agreed that we should continue the debate on Sunday and Thursday should be declared as Private Member's Day.

Mr. Chairman: It was agreed by everybody unanimously.

Lt. Gen. (Retd.) Saeed Qadir: Mr. Chairman, with your permission, I would strongly object to the words used by the honourable Senator that it is tyranny of the majority. I think, in the democratic system, the majority system has to work and I don't think that any tyranny is involved and Mr. Chairman, I also protest that you give the floor too often to Senator Iqbal Haider and he likes to hear his own voice. I do not think this is fair.

Syed Iqbal Haider: I object to that. This is the first time I have spoken and the word too often is far too often.

Mr. Chairman: OK, let us start now with the proceedings.

جی وزیر قانون صاحب۔

چوہدری عبدالغفور: جناب جیسا کہ agreed تھا اور طے شدہ تھا کہ گزشتہ جمعرات کو یہ بحث conclude ہو جائے گی اور اس Sunday کو یہ پرائیویٹ ممبر ڈے کے بعد ہم قانون سازی شروع کریں گے لیکن کافی سارے ہمارے مقرر حضرات ابھی بقایا تھے اس وجہ سے وہ conclude نہ ہوسکی تو طے یہ ہوا جس طرح.......

جناب چیئرمین: آج conclude کرنا ہے۔

چوہدری عبدالغفور: ایک بات جناب، آج بھی معلوم یہ ہو رہا ہے کہ جتنے مقرر ہیں......

جناب چیئرمین: یعنی آج conclude ہو جائے گا۔

چوہدری عبدالغفور: آج جناب اس کو conclude کر لیں۔ میری گزارش صرف یہ ہے کہ ایک گھنٹہ ہمیں وائنڈ اپ کے لئے چاہیئے۔ وہ جس وقت آپ رکھیں گے 12 سے ایک بجے تک یا 12.30 سے 1.30 بجے تک۔ جو حضرات حاضر نہیں ہیں، ان کے لئے مہربانی کر کے مزید انتظار نہ کریں۔ کافی انتظار کر لیا ہم نے جی۔

جناب چیئرمین: جی آج انتظار نہیں ہو گا۔ آج جو ہیں بس ان کو ٹائم دیا جائے گا۔

چوہدری عبدالغفور: تاکہ ہم وقت پر اس کو ختم کرسکیں اور اس کے بعد پرائیویٹ ممبرز ڈے اور قانون سازی کی جا سکے۔

جناب چیئرمین: جی ابراہیم صاحب۔ انگلستان میں ایسے نہیں ہوتا وہاں

سے آپ ہو کر آئے ہیں، جی ابراہیم صاحب۔

FURTHER DISCUSSION ON THE ADDRESS OF THE PRESIDENT

جناب محمد ابراہیم خان: صدر محترم نے 22 دسمبر کو شوریٰ سے جو خطاب کیا اس میں بیشتر موضوعات پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ ان موضوعات میں سے جو سب سے اہم ہے وہ جناب عالی جمہوریت کا تذکرہ ہے۔ انہوں نے اپنے خطاب میں کہا ہے اور جمہوریت کے متعلق انہوں نے ایک خاص لفظ کہا، پاکستان میں جمہوریت کے متعلق، جمہوریت کی نوخیزی۔ جناب عالی ! ہمارے ملک کو 45 سال گزرے ہیں اور یہ ملک اگر جمہوریت کے لئے بنا تھا تو اس کی عمر بھی اتنی ہی ہونی چاہیئے تھی جتنی پاکستان کی عمر ہے۔ اس نوخیزی کا مطلب میں یہ سمجھا ہوں کہ پاکستان میں بیشتر سال، تقریباً 30 سال کے قریب آمرانہ دور رہا ہے اور بقایا جو چند سال رہ گئے ہیں وہ بھی بے آئین کے یہ ملک چلتا رہا۔ ابتدائی ادوار میں بیشتر میں ایسے ہوا کہ آئین تھا ہی نہیں اور جب آئین 1973ء میں بنا تو اس کے بعد طالع آزماؤں نے اپنے کردار سے آئین کی پامالی کی، بنیادی حقوق کی سلبی کی اور عوام کو بنیادی حقوق سے محروم کیا۔

دراصل انتظامیہ کا محاسبہ، مقننہ کے سامنے کیا جاتا ہے لیکن میں یہاں یہ عرض کروں کہ انتظامیہ ہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے پاکستان کے عوام کے حقوق پر غاصبانہ ڈاکہ ڈالا ہے تو اس میں کوئی مبالغہ نہیں ہے۔ اس لئے کہ یہ سکندر مرزا سے لے کر آخری مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر تک یہ انتظامیہ کے اراکین تھے، بلکہ اس کا وہ حصہ تھے اور یہ بہت ہی تعجب کی بات ہے کہ وہ انتظامیہ کے لوگ جو پاکستان کے آئین کی پاسداری کا حلف اٹھاتے ہیں، وہ انتظامیہ کے ارکین اس آئین کو پامال کرتے ہیں اور عوام کو بنیادی حقوق سے محروم کرتے رہتے ہیں۔ جمہوریت ایسے حال میں کیسے ترقی کر سکتی ہے؟ کیسے improve ہو سکتی ہے؟ کیسے جمہوریت اس ملک میں ترقی کرے گی جب حلف لینے والا آئین کی پامالی کرے۔

جناب والا! ایک ہی آئین اس ملک کو دیا گیا وہ 1973ء کا آئین تھا۔ اس 73 کے آئین میں جس طرح بے دردی سے اور جس بے دریغ بے دردی سے

اس میں ترامیم کی گئیں.... میں سمجھتا ہوں کہ آٹھویں ترمیم سے پہلے وہ جو سات ترمیمات ہوئی تھیں وہ بھی تو اس آئین کا حصہ بن گئی ہیں۔

میں سمجھتا ہوں کہ ابتدائی دور میں جب یہ آئین بن رہا تھا تو فیصلہ ہوا تھا کہ دس سال بعد اس پر نظرثانی ہوگی۔ جناب عالی! دس سال کی بجائے 20 سال گزر گئے اور اس پر نہ نظرثانی ہوئی نہ کبھی اس سے متعلق کبھی میٹنگ بلائی گئی تو میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ یہ امور نہایت اہم ہیں۔ اس پر سوچنا چاہیئے۔ یہ چاہیئے۔ یہ ہی وہ باتیں ہیں جس سے ملک میں استحکام آئے گا، ملک کے آئین پر عوام کو اعتماد ہوگا اور لوگ ایک آئین کے تحت زندگی گزار سکیں گے۔

جناب عالی! دوسری بات جو میں عرض کرنا چاہتا ہوں، انتخابات کی بات ہے کہ ہمارے ملک میں انتخابات اتنے گراں ہو گئے ہیں، اتنے مہنگے ہو گئے ہیں کہ ایک حلقے میں ایک امیدوار کو مجھے معلوم ہے مجھ سے ملحقہ علاقوں میں ایک قومی اسمبلی کی ممبری پر یا سینٹ کی ممبری پر کروڑوں روپے خرچ ہوتے ہیں۔ ایسے خوش نصیب کم ہی سینیٹر یا ایم این اے ہونگے جو کسی کو ایک چائے کی پیالی بھی نہ پلائیں اور منتخب ہو جائیں۔ میرے دوست ذکی الدین پال صاحب نے تذکرہ کیا کہ ان کے 28 سال یا 30 روپے خرچ ہوئے ہیں۔ میں آپ کو بلامبالغہ کہتا ہوں کہ میں نے ایک پیالی چائے کی بھی نہیں پلائی۔ بلکہ شکریہ ادا کرنے کا موقع بھی نہ ملا جنہوں نے مجھے منتخب کیا۔ ایسے مواقع پاکستان کے الیکشن میں کم ہوتے ہیں۔ بالآخر محروم ہوتے چلیں گے۔ عوام اس میں نہیں ہونگے۔ مخصوص طبقہ یہاں بیٹھے گا۔ اور وہ مخصوص طبقہ صرف مخصوص طبقے کے حقوق کے لئے بیٹھے گا یا اپنے مال و دولت کے تحفظ کے لئے بیٹھے گا۔ اس پر سنجیدگی سے سوچنا چاہیئے کہ انتخابات کو کون سا طریقہ رائج کیا جائے قوم کو نجات دلائی جائے۔ اس وقت جو اجازت ملی ہے میرے خیال میں 5 لاکھ تک ایک ممبر کو خرچ کرنے کی اجازت ہے۔ یہ بھی بہت ہے۔ جہاں ایک آدمی کی اوسط آمدنی چند سو روپے ہو جس ملک میں شہری کی وہاں 5 لاکھ روپے پیدا کرنا اور الیکشن لڑنا بہت مشکل ہے۔ جنب والا اس قانون پر بھی سوچنا چاہیئے اور عوام کے لئے ایسے راستے نکالنے چاہیئے کہ انتخابات سہل ہو جائیں۔ اور وہ عوام کے صحیح انتخابات سے یہاں آ سکے۔

جناب عالی! اس کے علاوہ میں ایک اور موضوع کی طرف آپ کی توجہ

دلانا چاہتا ہوں- صوبائی خودمختاری- جناب عالی! یہ آئین 1973ء صوبائی خودمختاری کا ضامن ہے- یہی وہ آئین ہے کہ اس پر بیشتر سیاسی پارٹیوں نے بغیر کسی اختلاف کے دستخط کئے اور اتفاق کیا- اور وعدہ کیا کہ سال بعد اس پر مزید صوبائی خودمختاری کے سلسلے میں نظرثانی کی جائے گی- اور جہاں جہاں نقائص ہیں، جہاں جہاں کمزوریاں ہیں، جہاں صوبوں کے حقوق مارے جاتے ہیں- جناب عالی! میں آپ سے یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اس سینٹ میں جہاں میرا تجربہ ہے گزشتہ ادوار کا سینٹ میں روز صوبائی حقوق توڑنے کی بات ہوتی ہے کہ ملازمتوں میں کسی صوبے کو کتنا ملا- تو ہم دیکھتے ہیں کہ ہمیشہ چھوٹے صوبوں کی ملازمتیں بڑے صوبوں کو جاتی ہیں اور یہ بہانہ حلیہ پیدا کیا جاتا ہے کہ proper qualified امیدوار کسی صوبے سے نہیں ملتا- نہ سندھ سے ملتا ہے- نہ فرنٹیر سے ملتا ہے نہ بلوچستان سے ملتا ہے- میرے خیال میں اپنے کوٹہ پر contended ہونا چاہیئے، اسی پر قانع ہونا چاہیئے- اس سے صوبے میں بداعتمادی پیدا ہوتی ہے اور سینٹ میں بھی بدمزگی پیدا ہوتی ہے- میں سمجھتا ہوں کہ یہ تو خود وزیراعظم صاحب کہہ سکتے ہیں- اپنی کابینہ کے وزیروں سے کہیں کہ strictly عمل کریں- کوٹہ سسٹم پر کہ ہر صوبے کو اس کا حق ملا کرے- اور کوئی اس کا آئندہ گلہ نہ کرے کہ اس کے صوبے کا حق مارا گیا ہے اور اس کی ملازمتیں اس کو نہیں ملیں-

جناب عالی! ایک اور بات کی طرف میں آنا چاہتا ہوں- پاکستان کی خارجہ پالیسی- جناب والا! پاکستان کی خارجہ پالیسی شروع سے لے کر آخر تک اپنی پالیسی نہیں رہی ہے- یہ ہمیشہ مغربی استعماری طاقتوں کے تابع رہی ہے- یہاں ہم دیکھتے ہیں کہ بغداد پیکٹ سے لے کر سیٹو اور سنیٹو تک کے ادوار میں یہ ساری پالیسی مغربی استعمار کے تابع رہی ہے- اور ہم سرمو بھی اس استعماری پالیسی سے ادھر نہیں گئے- ہمیں معلوم ہے ہماری کیمونزم سے یا سوشلزم سے بذات خود کوئی دشمنی نہیں رہی ہے- اس لئے کہ ہماری ڈائریکٹ کوئی conflict نہ روس سے رہی ہے نہ چین سے رہی ہے لیکن وہ مغربی طاقتیں جو چاہتی تھیں جنہوں نے ہمارے قانون کو اپنے اصولوں کے اور اپنے مفادات کے تابع کیا تھا، ہم خارجہ پالیسی بھی ان سے بنوایا کرتے تھے- وہ ہمارے کسی فائدے میں نہ تھی- آج یہ حال ہے کہ ان کے اپنے مفادات اور اپنے intrests ہیں وہ پورے ہوئے- وہ اب ہمیں کسی استعمال میں نہیں رکھتے- وہ کچھ importance نہیں دے رہے ہیں مالی امداد بھی بند کر رہے ہیں بلکہ مخالف کیمپ کے ساتھ ان کی دوستی زیادہ ہے- اگر دیکھا جائے تو روس کے ساتھ ان کی

دوستی بن رہی ہے عراق کے سلسلے میں کیونکہ روس اور امریکہ ایک ہی رہے ہیں- گو فوجیں نہیں بھیجیں مگر مارل سپورٹ، پولیٹیکل سپورٹ سب انہی کو دی-

اب ایک اور موضوع جس کی طرف میں آنا چاہتا ہوں- وہ ہماری خارجہ پالیسی کے ضمن میں افغانستان کا مسئلہ ہے- افغانستان میں گزشتہ دور میں 14 سالوں میں جو ہوا ہے جناب عالیٰ وہ عبرت آموز ہے- ہمیں معلوم ہے کہ 23 ہزار دیہات میں سے 20 ہزار دیہات بالکل ملیامیٹ ہو گئے ہیں- ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ تقریباً 25 لاکھ کے قریب افراد ہلاک ہوئے ہیں- ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ ان کے پاس آباد ہونے کے لئے چھت کے لئے لکڑی بھی نہیں ہے- ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ ان کے لئے کھانے کے لئے آٹا بھی نہیں ہے- یہ سب کیوں ہوا- جناب عالیٰ! افغانستان کی تباہی اس دن نوشتہ تقدیر بن گئی تھی جب پاکستان نے امریکہ کو فوجی اڈہ دے دیا- اگر پاکستان امریکہ کو فوجی اڈہ دے سکتا ہے تو کئی ہزار میل سے یہاں امریکہ آ سکتا ہے اپنے تمام اوزاروں اور ہتھیاروں کے ساتھ- تو یہ کیا حیرانی کی بات ہے کہ روس کابل نہیں آئے گا چند سو میل دور سے کہ وہ امریکہ کا جواب فوجی طریقہ سے دے سکے- یہ ہوا- دراصل افغانستان کی تباہی کا باعث بڈھ بیر اڈہ ہے جو ہم نے امریکہ کو دیا- جناب عالی! آپکو یاد ہو گا کہ یو-2 جہاز اسی پشاور سے اڑا تھا اور جس کو رشیا کے اوپر مارا گیا اور اس کے پائلٹ کو گرفتار کیا گیا- چند سال اس کو جیل میں رکھا گیا- اس کے بعد اس کو رہا کیا گیا- تو یہ اس پالیسی کے نتیجے میں افغانستان تباہ ہوا ہے- اور شاید بڑی طاقتوں کی انفرمیشن بھی غلط تھی- ان کی اطلاعات بھی غلط تھیں- ان کے اندیشے اور وسوسے بھی غلط تھے- شاید امریکہ اور بڑی طاقتیں یہ سمجھتی تھیں کہ روس expansionچاہتا ہے تاکہ اس کا راستہ روکا جائے اور اس لئے انہوں نے اپنا قیام بڈھ بیر اڈہ میں کیا- ان کے تخمینے غلط ہوئے- روس ایسا نہیں چاہتا تھا- روس کو اپنے خطرات تھے کہ مغرب میرے قریب پشاور میں آ پہنچا ہے- میرے مستقبل کا کیا ہوگا دونوں کی انفر میشن غلط تھی- غلط انفرمیشن کی بنیاد پر جو رد عمل دو بڑی طاقتوں کے درمیان ایک دوسرے کے خلاف ہوا، اس کے نتیجے میں اس کو اسلامی جہاد کا نام دے کر غریب عوام کو ایک سادہ دل عوام کو جو قابل قدر لوگ تھے، جنہوں نے اسلام کے لئے بہت کچھ کیا تھا، اسلام کے لئے پوری تاریخ بنائی تھی اور اسلام کے لئے بہت اعتماد بھی تھا ان کو تباہ کیا گیا- ان کو کسمپرسی کے حال میں چھوڑا گیا- اور اس کو مذہب کا نام دے کر، جہاد کا نام دے کر، فساد کی بجائے جہاد کا نام دے

کر اس قوم کے ساتھ بہت بڑا ستم ہوا۔ اور پھر وہ طبقہ اس کو جہاد کہتا ہے۔
اس کو خیر کی بات کہتا ہے - میں سمجھتا ہوں کسی نے کیا خوب کہا تھا۔

وہی قتل بھی کرے ہے وہی لے ثواب الٹا

قتل بھی وہی کرتے ہیں اور ثواب بھی وہی چاہتے ہیں۔

جناب عالی! اس کے علاوہ میں ایک اور موضوع کی طرف آنا چاہتا ہوں۔ وہ اس ملک میں تعلیم کی بات ہے۔ تعلیم کے بارے میں وہ قومیں جو ابھی بنی ہیں ان کو اتنا عرصہ نہیں ہوا ہے۔ 24 سال میں بنی ہیں۔ یا ہمارے ساتھ بنی ہیں۔ ان کی تعلیم یعنی literacy rate cent per cent ہے۔ آپ کوریا میں جائیں۔ یا چین میں جائیں، جہاں بھی دیکھیں گے ان کی literacy rate 90 سے 100 فیصد ہے۔ ہمارے ملک میں ابھی تک 14 اور 16 ہے۔ اس دور میں ہم کیسے اور قوموں کے ساتھ ہمسری کر سکتے ہیں۔ جب ہمارے ملک میں تعلیم نہیں ہو گی اور literacy rate 100 فی صد نہیں ہو گا ہمارا standard کیسے بنے گا۔ ہمارا ذہن کیسے بنے گا۔ ہماری سائنس کیسے بنے گی۔ ہماری advancement کیسے ہو گی۔ ناممکنات میں سے ہے۔ جب تک تعلیم کی طرف دھیان نہیں کیا جائے گا۔ جب تک اس طرف خیال نہ کیا جائے گا۔

جناب عالی! تعلیم بہت اہم چیز ہے اور اس کی طرف وفاقی وزارت تعلیم کو خاص خیال رکھنا چاہیئے۔ مزید میں ایک اور موضوع یہاں کہنا چاہتا ہوں جو میرے کسی بھائی نے نہیں کہا ہے۔

جناب عالی! یہاں ہر ممبر کو تعمیر وطن پروگرام سے تقریباً ایک کروڑ 40 لاکھ روپیہ ملتا ہے۔ کچھ میرے بھائی ہیں جو گلہ کرتے ہیں کہ ان کو ایک لاکھ چالیس کروڑ نہیں ملتا۔ پچاس لاکھ ملتا ہے۔ یہ discrimination اپنی جگہ ہے۔ وہ حکومت کی اپنی مصلحتیں ہیں، مجھے اس کا باعث نہیں معلوم ہے لیکن میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں، جناب، آپ کی وساطت سے کہ ایک ممبر قومی اسمبلی نے یا ایک سینٹ کے ممبر نے تو صرف منصوبہ کاغذ پر دینا ہے، دستخط کر دینا ہے اور وہ کوئی ٹھینڈر اس کے کال کرے گا، اس کی منظوری ہو گی، کوئی supervision

کرے گا۔ آخر میں اس کے پاس کاغذ آ جائے گا کہ

to the best of my knowledge, the work has been completed.

لیکن جناب عالی! میں اس فلور پر کہہ سکتا ہوں کہ اس فنڈ میں سے، ہر ممبر کے فنڈ میں سے اٹھارہ سے بائیس فیصد تک وہ ادارے کہ جن کے حوالے سے یہ کام کیا جاتا ہے، کھا جاتے ہیں کمیشن کے طور پر۔ جناب عالی rough calculation کے حساب سے میں نے جب calculate کیا تو اس فنڈ کو 90 کروڑ روپیہ کمیشن کی حیثیت سے تعمیر وطن کے فنڈ سے کھا لیا جاتا ہے۔ تعجب کی بات ہے کوئی نگاہ ہی نہیں کرتا۔ ایک سینیٹر جو عوام کا نمائندہ ہے، ایک قومی اسمبلی کا ممبر جو عوام کا نمائندہ ہے وہ تو خرچ کرتا ہے اپنے پورے خلوص سے، اپنی پوری sincerity کے ساتھ دستخط کرتا ہے، کاغذ بھرتا ہے چاہتا ہے۔ لوگوں کے پاس پہنچتا ہے۔ ٹھیک ہے ان کا interes اتنا ہو گا کہ اس کا ایک حلقہ ہے اور وہ حلقے میں اس کی impression اتنی بنے کہ آئندہ منتخب ہو جائے ایک کارخیر کے کرنے والے خدمت گار کی حیثیت سے لیکن جناب والا! یہ نوے کروڑ روپیہ بھی تو اس غریب ملک میں کوئی چیز ہے جو یہ ادارے کمیشن کے طور پر کھا جاتے ہیں۔ جناب عالی! اس کا سوچنا چاہیئے۔ اس کی انکوائری کرنی چاہیئے تاکہ کام بھی معیار کے مطابق ہو اور عوام کا کام بھی بنے۔

جناب عالی! انتخابات کی مہنگائی کی ساتھ ساتھ میں ایک اور موضوع آپ کے سامنے لاتا ہوں کہ ہمارے پڑوس میں بلکہ ہمارے بھائی ہیں جو قبائل میں رہتے ہیں جو tribes میں ہیں جو Frontier crimes regulation کے تحت اب بھی رول کئے جاتے ہیں۔ یہ ایسا موضوع ہے جس کے ساتھ ڈائریکٹ صدر صاحب کا تعلق ہے۔ آج 45 سال ہو گئے ان بے چاروں کو وہ بنیادی حق جو بالغ رائے دہی ہے وہ بھی نہیں دیا گیا ہے۔ ہم کیسے کہ سکتے ہیں کہ ہم نے بہت ترقی کی -دنیا کی قوموں کی صف میں برابری کے حساب سے ہم کھڑے ہیں۔ ہم نے اب تک، جنھوں نے ہمارے ساتھ اپنا ماضی، حال اور مستقبل وابستہ کیا ہوا ہے۔ ہم نے آج تک ان کو ووٹ کا حق نہیں دیا اور اب یہ مرحلہ آ گیا ہے کہ لوگ احتجاج کرتے، لوگ جلوس نکالتے، لوگ بھوک ہڑتال کرتے، قبائلی لوگ...... انگریز تو اگر نہیں دیتا تھا ووٹ کا حق تو وہ تو غیر قوم تھا۔ اس کو کیا پڑی تھی کہ ہمارے لوگوں کا جو ہے جمہوری ذہن بنائے، جمہوری شعور بنائے۔ ان کو کوئی ....

جناب چیئرمین: وائنڈ اپ کرلیں۔

جناب محمد ابراہیم خان: جناب عالی تھوڑا سا میں وقت چاہتا ہوں میں اکثر اپنے گلے کی خرابی کی وجہ سے کم بولتا رہتا ہوں۔ آج آپ نے مہربانی کی ہے وقت دیا۔ پہلے نمبر پر تو چند منٹ اگر آپ دے دیں تو میں مشکور ہوں گا۔ جناب عالی! یہ محدود ووٹ جو ان کا الیکٹورل کالج ہوتا ہے۔ ایک ایجنسی کی مثال دیتا ہوں 1400 ووٹ۔ بارہ ہزار روپے میں ایک ووٹ بکا۔ 1400 ووٹ ہوں roughly آپ اندازہ لگائیں اور جو فیل ہونے والا candidate ہے اس کا ایک کروڑ روپیہ خرچ ہوا۔ اور جو کامیاب ہونے والا candidate ہے اس کا کتنا خرچ ہو گیا ہو گا۔ اگر یہ بالغ رائے دہی کے حساب سے وہاں کے عوام اپنے نمائندہ کو سینٹ میں، قومی اسمبلی میں منتخب کریں تو اس سے یہ ہو جائے گا کہ پورے عوام تک پہنچنا مشکل ہو جاتا ہے۔ یہ دھاندلی، یہ پیسے کے زور پر ووٹ لینا، نمائندگی کرنا، یہ خودبخود عمل مفقود ہو جائے گا۔ میں اس فلور سے، آپ کی وساطت سے حکومت کی اس جانب توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ قبائل کو، ہمارے بھائیوں کو جلد سے جلد تاکہ وہ ہمارے ساتھ برابر اس عمل میں، سیاسی عمل میں شریک ہوں۔

جناب عالی! اس کے علاوہ میں ایک اور بھی تجویز کرتا ہوں کہ ان کو، قبائلی بھائیوں کو جہاں قومی اسمبلی میں نمائندگی ملی ہے جہاں سینٹ میں نمائندگی ملی ہے، اس سینٹ مین ہمارے قبائل کے 8 ممبر ہیں۔ میں propose کرتا ہوں کہ جناب عالی.......

جناب چیئرمین: جی جناب ملک صاحب پوائنٹ آف آرڈر۔

ملک فرید اللہ خان: جناب! مجھے سینیٹر صاحب کا بہت ہی احترام ہے، انہوں نے جو تصویر پیش کی ہے قبائلی علاقوں کی، ایسی بات نہیں ہے جناب اگر ہمیں حق دینا چاہتے ہیں تو پہلے تو یہ مردم شماری کریں کہ قبائل ہیں کتنے۔ آج تک پاکستان کو بنے ہوئے 45 سال ہو گئے ہیں اور قبائلی علاقہ جات کی مردم شماری ہی نہیں ہوئی۔ بالغ رائے دہی تو بعد کی بات ہے۔ وہ ایک سسٹم ہے اور ایک معاہدے کے تحت ان قبائلی علاقہ جات نے پاکستان میں شمولیت کی تھی اور ان معاہدات کو Aitchison treaties کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور انہی

treaties کے تحت قبائلی علاقوں نے پاکستان کے ساتھ الحاق کیا تھا تو اگر اس معاہدے کی شقوں کے اوپر یعنی یہ دو فریقین ہیں۔ ایک حکومت پاکستان اور ایک قبائل۔ اگر ان شقوں میں کوئی تبدیلی کرنی پڑتی ہے یا ضرورت ہے تو دونوں فریقین کو اعتماد میں لینا ہو گا۔ میں سمجھتا ہوں کہ ایسی صورتحال نہیں ہے کہ قبائلیوں نے مطالبہ کیا ہو کہ ان کے خصوصی اور وہ جو اہمیت کا جو علاقہ ہے ایک خاص حیثیت وہ رکھتے ہیں اس میں وہ تبدیلی چاہتے ہیں کہ نہیں۔

اس کے علاوہ جناب انہوں نے پیسے کی بات کی ہے تو میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ کیا پاکستان کے بیچ میں الیکشن کے اوپر پیسے نہیں لگتے۔ آپ اٹھائیں انٹیلی جنس رپورٹ......

جناب چیئرمین: آپ نے تقریر شروع کر دی ہے۔

ملک فرید اللہ خان: جناب میں اس لئے کرتا ہوں کہ یہ issue ہے اور مختلف لوگوں کے ذہن میں ایک ایسی صورت پیدا ہوگئی ہے کہ ایک ایسی تصویر بنتی ہے کہ یہ قبائلی علاقہ میں کیا ہو رہا ہے۔ انٹیلی جنس ایجنسیوں کے مطابق پولیٹیکل پارٹیز آپ ایک ایک کو لیں۔ نہ صرف یہ کہ وہ اپنی جیب سے خرچ کرتے ہیں جو candidate ہوتے ہیں لیکن ان کو باہر کے ممالک سے بھی امدادیں ملتی ہیں اور وہ کروڑوں اور اربوں روپے کی ہوتی ہیں۔ تو یہ کہنا کہ صرف قبائلی علاقوں میں خرچہ ہوتا ہے، میں سمجھتا ہوں کہ صحیح نہیں۔

جناب چیئرمین: شکریہ جی۔

ملک فرید اللہ خان: باقی اگر ان چیزوں میں تبدیلی لانی ہے تو میں یہ گزارش کروں گا کہ قبائل کو اعتماد میں لئے بغیر کوئی بھی اگر ایسی بات ہو گی تو ہم اس کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہے۔

جناب چیئرمین: شکریہ جی! جی ابراہیم خان صاحب۔

جناب محمد ابراہیم خان : جناب والا! میرے محترم بھائی نے جو بات

کی ہے میں قدر کرتا ہوں اس بات کی آخر ایک موضوع زیر بحث آجاتا ہے۔ دونوں طرف سے نقطہ نگاہ سامنے آجاتا ہے۔ اچھی بات ہے یہ بحث کی جگہ ہے۔ یہاں سمجھنا چاہیئے ایک دوسرے کو میں یہاں......

جناب چیئرمین: جی دیکھیں ناں پلیز پھر آپ interrupt کر رہے ہیں، ان کو تقریر ختم کرنے دیں۔

اخونزادہ بہرہ ور سعید: تھوڑی سی بات! ختم کرتا ہوں۔

جناب چیئرمین: جی کرلیں آپ ۔

اخونزادہ بہرہ ورسعید: جناب ہمارے آئین میں شاید آرٹیکل 276 میں ہے کہ پریذیڈنٹ کو یہ اختیارات حاصل ہیں کہ وہ چاہے تو کسی قبائلی علاقے کا کوئی حصہ merge کرائے تو ان سے پوچھے۔ اس میں معاہدے کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ آئین میں یہ اختیارات دیئے ہیں۔

جناب چیئرمین: بہرحال یہ اب علیحدہ ہی بحث چھیڑ رہے ہیں۔

جناب محمد ابراہیم خان: اگر مجھے اجازت دیں میں جہاں تک تجویز کرتا ہوں کہ جہاں قبائل کو قومی اسمبلی اور سینٹ میں نمائندگی حاصل ہے، میں سمجھتا ہوں کہ رابطے کے لئے بھی، اپنے بھائی چارے کے لئے بھی، اس جغرافیے کے لحاظ سے بھی صوبوں میں بھی ان کو نمائندگی دی جانی چاہیئے کہ جس صوبے کے ساتھ وہ ملحق ، متعلق ہیں، جہاں ان کا واسطہ ہے، جغرافیائی اور دوسرے تعلق ہیں، ان کو صوبے میں بھی نمائندگی ملنی چاہیئے تاکہ ان کے مسائل حل ہوں۔

اس کے علاوہ جناب عالی! میں ایک موضوع اور یہاں کہنا چاہتا ہوں کہ اس میں زراعت، ہمارے ملک میں زراعت کی بات ہے۔ جناب عالی! جس کسی کو بھی یہ موقع ملا ہے کہ وہ کراچی سے خلیج بنگال تک ہوائی جہاز سے چلے، اور نیچے کی طرف دیکھے تو اندازہ ہوتا ہے کہ ایک انچ زمین بھی انڈیا کی چاہے بارانی ہے چاہے وہ نہری ہے بغیرکاشت کے نہیں ہے۔ ہمارے ملک میں خود کفالت جناب عالی! کبھی نہیں آ سکتی جب

تک کہ اس 90 فیصد آبادی کے علاقے کو ہم کاشتکاری کے قابل نہ بنائیں اور اس کے لئے ضروری ہے، اس روز بھی میں نے ذکر کیا تھا کہ مشینری ہماری دیہی عوام کو مہیا کرے۔ ٹریکٹر، بلڈوزر اور دوسری مشینری تاکہ وہ اپنے گاؤں میں، اپنے علاقے میں وہ کاشتکاری کرے، چاہے وہ بارانی ہو بلکہ بعض اجناس ایسے ہیں کہ جن پر حکومت کو subsidy دینی چاہیئے۔ اسی طریقے سے اجناس کی فراوانی ہو گی۔ مارکیٹ میں زیادہ چیزیں آئیں گی۔ مہنگائی کم ہو گی اور لوگوں کو روزگار مہیا ہو گا۔

جناب عالی! یہ بہت اہم بات ہے کہ زراعت بغیر بارانی زمینوں کو ٹھیک کرنے کے، بغیر ان کے بلڈوزر سے ہموار کرنے کے، کاشتکاری کے قابل بنانے کے اس ملک کی زراعت کبھی بھی خودکفیل نہیں ہو گی بلکہ روز بروز جو ہمیں نقصان ہو رہا ہے سیم اور تھور سے اور یہ سیلابوں سے اس کا تو لازمی نتیجہ یہ ہے کہ ہماری پیداوار کم ہو۔ میں اس طرف حکومت کی توجہ دلانا چاہتا ہوں۔ خاص طور پر وزارت خوراک کو کہ وہ اس طرف دھیان دیں تاکہ ہمارے نوے فیصد کو روزگار بھی ملے، ان کی معاش بھی بنے اور شہروں سے یہ بوجھ بھی کم ہو۔ جناب عالی! اس بات پر بھی آپ کے توسط سے میں حکومت کی اس طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ اس سینٹ کو اس اہل بنایا جائے کہ وہ بجٹ پر بحث کرے۔ اس کی اچھائیوں خوبیوں کو پرکھے۔

اس کے علاوہ جناب عالی! ایک بات میں اور کرنا چاہتا ہوں۔ آپ نے مجھے وائنڈ اپ کرنے کے لئے کہا ہے۔ اس روز میرے عزیز دوست ڈاکٹر ریحان نے جناب صدر محترم کی تندرستی اور صحتمندی کی بات کی ہے۔ جناب عالی! ہم بھی خوش ہیں کہ ہمارے صدر صاحب صحت مند ہیں۔ تندرست ہیں۔ مگر اس کے یہ کہنے سے تاثر نہ لیا جائے کہ یہ انتخاب سے متعلق کوئی صدارتی بات ہے نہیں۔ ابھی یہ بات بہت قبل از وقت ہے۔ ابھی ہماری پارٹی اے این پی نے نہ اس پر سوچا ہے اور نہ اس سلسلے میں کوئی فیصلہ کیا ہے۔ وقت آئے گا تو دیکھا جائے گا۔

جناب عالی! میں آپ کا بہت مشکور ہوں کہ آپ نے مجھے وقت دیا۔
thank you very much.

جناب چیئرمین: شکریہ جناب۔ جناب نبی بخش ڈوکی صاحب۔ حاضر نہیں ہیں۔

ڈاکٹر بشارت الہٰی صاحب۔

Dr. Bisharat Elahi: Thank you Mr. Chairman Sahib. Mr. Chairman! my neighbour tells me that he was allowed to speak for 2-1/2 hours, so, I would like to know how long will I be allowed to speak.

Akhunzada Behrawar Saeed: Sir, this is wrong.

جناب چیئرمین: ویسے جی آپ کا وقت تو 20 منٹ ہے لیکن اگر آپ کہیں گے تو دو چار منٹ اور آگے بڑھا دیں گے۔

ڈاکٹر بشارت الہٰی: جناب پہلے انہوں نے کہا کہ جی میں اڑھائی گھنٹہ بولا ہوں-but when I insisted کہ ٹھیک ٹھیک بتائیں۔ انہوں نے کہا کہ جی کم از کم 45 منٹ تو میں ضرور بولا ہوں۔

جناب چیئرمین: نہیں یہ غلط کہہ رہے ہیں اور ایسے ہی آپ کو اشتعال دلا رہے ہیں۔

اخونزادہ بہرہ ور سعید: میں غلط نہیں کہہ رہا ہوں یہ غلط کہہ رہے ہوں۔

جناب چیئرمین: صرف اشتعال دلا رہے ہیں۔ لیکن مجھے پتہ ہے کہ آپ 25 منٹ میں وہ کچھ کہہ دیں گے جو وہ دو گھنٹے میں کہتے ہیں۔

ڈاکٹر بشارت الہٰی: بہر حال

I have no intentions of speaking for a very long time.

پہلی بات تو یہ ہے کہ اس debateکو اتنی دیر کے بعد شروع کیا گیا ہے کہ

It has got the enthusiasm that we have about the whole thing. It is not there; to be very frank.

اس میں ہونا یہ چاہیئے کہ

Immediately after the President's Address may be within the next fortnight, we should have this debate. Now, things have perceptibly changed since the President spoke.

بہت سے حالات بدل گئے ہیں- واقعات اور ہو گئے ہیں کہ we may not be much well in time to debate the issues but perhaps I take advantage of the presence of our learned friend, the Minister for Foreign Affairs, and say a few words on things which are in his domain.

لیکن سب سے پہلے میں آپ کی توجہ ایک اہم مسئلے کی طرف دلانا چاہتا ہوں that is; if you remember Sir, that on the 30th of August, 1992 you very graciously constituted a 4 members Ministerial Committee to sort out the issue that was raised in an adjournment motion about the non-payment of dearness allowance of rupees two hundred to the employees of the Associated Press of Pakistan.

اور اس وقت بحث کے بعد یہ فیصلہ ہوا کہ یہ کمیٹی forty five days یعنی 45 دنوں کے اندر اندر اس معاملے کا حل نکالے گی- لیکن جناب والا! اس کو اب چھ ماہ ہو گئے ہیں- اس کا جہاں تک مجھے علم ہے کوئی حل نہیں نکلا- میں آپ سے گزارش کروں گا کہ آپ مہربانی فرما کر اس کمیٹی کے ممبران کو اور خاص طور پر منسٹر فار انفارمیشن کی توجہ اس امر پر دلوائیں اور یہ اس لئے بھی بہت ضروری ہے کہ یہ اعلان وزیر اعظم صاحب نے دسمبر 1990ء میں کیا تھا- دو سال گزر گئے ہیں جب یہ اعلان وزیراعظم پاکستان نے کیا تھا- اور جن کا نام لیتے لیتے موصوف وزیر کا منہ سوکھ جاتا ہے وزیراعظم کا نام لیتے لیتے، لیکن ان کے احکام جو ہیں وہ ان پر عمل کرنے پر تیار نہیں ہیں-

Mr. Chairman: When he is present, I will bring it to his notice.

Dr. Bisharat Elahi: Otherwise Sir, it may be

worthwhile writing to him and drawing his attention to this.

Mr. Chairman: Right, I will do this.

Dr. Bisharat Elahi: Sir, the next issue on which I feel my worthy colleagues have not spoken at length, is thing pertaining to agriculture in Pakistan and even at the expense of being said that I am repeating some of the things, I would like to draw the attention of the government that agriculture provides 26% of the gross domestic product and 75% of your exports are dependent on agriculture; rice, cotton and cotton products, 52% of the employed labour is in the agriculture sector and agriculture also provided raw material for a lot of industry that is being run in Pakistan today. It may be pertinent to note that the growth in the productivity of food grains including wheat, rice and maize has been barely 2% per annum and even this growth is sustained we are going to be deficient in food for the population of this country in the years to come. We are already deficient in wheat. Cotton on the other hand has done remarkably well. The growth in cotton has been about 10% per annum since the last few years but then again the government miserably failed to tackle the bumper crop that the farmers were able to grow the previous year, this is a government's failure.

Admittedly the government has given some incentives to raise production and enhance the income of the farmers but if we compare these incentives - to the incentives given to industry and the trade sector they are more or less negligible and industry is being given a preferential treatment, more needs

to be done for agriculture but in an organized and a sustainable manner.

Recently I heard my honourable colleague, Aijaz Jatoi, stands up on a point of order and draw your attention to the fact that fertilizer was not available in certain areas of Sindh. Similarly we have a situation in Punjab where fertilizer is not available, has not been available for the past few months, even the government Ministers - I have heard them, over heard them to talk in the VIP lounge and other places that even they are unable to procure fertilizer and even if they are, they have got to pay a much higher price. Fertilizer is the most important input as far agriculture is concerned and it is a pity that the government has not been able to streamline the supply of fertilizer to the farmers but nevertheless I would also like to draw the attention of the Ministry concerned to the indiscriminate use of pesticide and chemical fertilizers which is causing a colossal damage to the land and I would request them to gear up their research institutes to assist the damage that is being done to the .land and to suggest remedial methods for this. We don't seem to be alive to this problem, perhaps what is happening today. We are not able to foresee what the result will be in the next five or may be in ten years. And another thing while speaking about agriculture, I would like to point out that water-logging and salinity, is at the moment the number one problem of agriculture. There have been a lot of programmes and lot of projects in this regard, but we have not been formed as to the outcome of these projects. And according to my information it is said that the area of land, which is being water-logged per hour, runs into

thousands of acres in the whole of Pakistan. This is an issue which also needs to be attended too on very urgent basis. The Government must have a serious look at the rising cost of inputs and when I say inputs, it is your fertilizers, it is your pesticides and it is also your mechanical implements required for agriculture. Against the stagnant production, the production, except for cotton is not increasing and unless we are prepared to have a good look and provide incentives to the farmers, I am afraid within the next five years or may be within the term of this very government, the bulk of our foreign exchange expenses may be on the import of food. What needs to be done immediately, in addition to what I have already mentioned, is to improve the rural infrastructure, extension of irrigation system, lining of canals is also something which is very urgent, which will make more water available for agriculture and also reduce water-logging and salinity. The government must decide the extent to which the performance of the agriculture sector is critical to the overall economy and growth in Pakistan and although I am not involved in agriculture myself, but I have a very strong feeling that the government cannot dispensed with agriculture now or even may be after 20 years. Agriculture will form our backbone and it is a sad issue that we take no notice of the shortfalls in this field and try to cover them up.

Sir, a few other things that I like to bring to your notice and that is the unprecedented price hike in the year 1992. I have fair figures of the prices of the commodities during 1991 and the prices of the same commodities during 1992. The Finance Minister is not here, but I have the

intention of giving the copy of these calculations to the Finance Minister so that he can go through it and check as to whether this is correct. Now, the price increase on all items, eatables have risen from 8% to 100% and most of the prices have increased in the range of between 15 to 40%. This, Sir, is unprecedented and invariably we are told that this is a world-wide phenomenon and Pakistan cannot be isolated for what is happening elsewhere in the world. And very recently, Sir, you might have read in newspapers that the Prime Minister, has reported in the press, said

کہ "پاکستان بہت سستا ملک ہے، یہاں پر غیر ملکی پانچ ڈالر میں دو وقت کا کھانا کھا سکتا ہے" جی ہاں کھا سکتا ہے اس کے لئے پاکستان سستا ملک ہے لیکن پانچ ڈالر میں آج کل غیر ملکی بھی سیکنڈ یا تھرڈ کلاس ریسٹورنٹ میں کھا سکتا ہے، فرسٹ کلاس ریسٹورنٹ میں نہیں کھا سکتا ہے اور اگر آپ یہ کہیں کہ کھا سکتا ہے کوئی بندہ پانچ ڈالر میں، پانچ ڈالر کا مطلب ہوا ایک سو پچاس روپے۔ آپ مجھے یہ بتائیے کہ ہمارے ہم وطن، اپنی بات نہ کریں، میری بات نہ کریں، وزیراعظم صاحب اپنی بات نہ کریں، اپنے دوستوں کی بات نہ کریں، ہمارے کتنے ہم وطن ہیں اس وقت، اس ملک میں جن کی روزانہ تنخواہ ڈیڑھ سو روپیہ ہے اور اگر ہے بھی ڈیڑھ سو روپیہ تنخواہ تو اس میں اس نے صرف کھانا نہیں کھانا۔ یہ بات جو ہے کہنے کے لئے یہ بہت سستا ملک ہے، جی ہاں غیر ملکیوں کے لئے سستا ہو گا لیکن ہمیں بات کرنی ہے اپنے آدمیوں کے لئے، اپنے لوگوں کے لئے، اس ملک کی عوام کے لئے یہ کہہ دینا کافی نہیں ہے کہ یہ ملک دنیا میں سستا ملک ہے۔ باہر والوں کے لئے سستا ہو گا لیکن ہمیں فکر باہر والوں کی نہیں ہونی چاہیئے۔ ہمیں فکر اپنی عوام کی ہونی چاہیئے۔

A few other things, which relate to the performance of the present government and I hope there is somebody here or somewhere who is taking some notes although neither the Ministers nor the people are in the habit of taking notes

neither are the issues attended to when they wind-up the speeches. (1) Despite the fact that the government has been in power for nearly two-and-a-half years they have failed to bring in legislation for the representation of women in the Assembly and this is something they had promised if I am not mistaken at the time of the election and the reason why they have not done it, I do not know. Because even the opposition people, sitting in the opposition today, are not opposed to it. What is the reason that the government has failed to bringing this legislation and they have not given this right to 50% or more than 50% of the population to be represented in the Assemblies. The minority groups have some grievances. I think, the government should also attend to these and if necessary these things could also be debated in the Parliament.

I would also like to know from the government and the honourable Ministers sitting on the front benches as to what happened about the merit policy announced with a lot of funfair, as far as recruitment in the government sector was concerned. What happened to the anti-adulteration drive that the government had started? When did it start? When did it stop and what was the result? How many people were adulterars, who were brought to book? How many were tried? How many were convicted and what was the jail to which the adulterators were taken? And why still the adulteration is there? Supurious drugs, we have time and agian heard that the government is taking steps against supurious drugs. I would like to know the details. What steps have been taken and what has been the results? The honourable Minister for Interior who was here at the beginning of the debate but is conveniently out of the

House at the moment, I am glad he is back and he is back right on the dot. My question to him is, Sir, what happened to the drive against the illicit arms? Can we have some facts and figures about that? The total number of arms that were recovered, the persons involved, the action taken against those persons? Whether this drive is still on or it is off? And again pertaining to the Interior Minister I would like to remind him that a Police Reforms Committee was formed immediately after this government came into power and I have happened to be a member of this committee. A number of meetings were held but I have not heard about this committee or the recommendations or the steps taken as a result of the recommendations of this committee by the Government since the last about 15 months. May I ask the honourable Minister, through you, Sir, to kindly enlighten me and the members of this House on the Police Reforms Committee and before the honourable Minister takes time to leave the Senate, I would like very briefly to touch on the law and order situation in the country.

Sir, I shall be extremely brief and what I am going to read now is what I quote from an article by Mr. Sultan Ahmed which appeared in the 'Dawn' on 4th of February, 1993. The writer says, "it is the honest people who are living in the sphere of the Police. May I draw the attention of the Interior Minister to what I am saying through you, Sir, because he seems to be busy discussing something with the honourable Minister for Justice. I repeat, 'it is the honest people who are living in the sphere of the Police and not the corrupt and criminal elements. The latter knows how to enlist the support

of the Police. As a result the police are now perceived more as a law and order problem than they care for it and a large number of victims of crimes avoid them and suffer in silence and despair.

There was another article which appeared perhaps day before yesterday the title of which was "will Lahore survive the Police" In which the writer has written at some length about an incident which took place in a certain area of Lahore on the day or perhaps in the night of Basant, in which certain Army officers were halt up for no fault of theirs by the Police and beaten up mercilessly and Sir, while we are still at it the Police....... 1993 has been declared the year of war against narcotics and I am sure, most of the members here must have read that one of the Police Stations in Lahore retailing form narcotics and the ASI of that particular Police Station was actually involved in selling narcotics like heroin. This, Sir, is a state of affairs and while still on the subject of the police whereas I have full sympathy and I am sure the Prime Minister is perturbed by these incidents of lawlessness, gang rapes and other incidents. He has been visiting these victims personally but as to whether the involvement and the visits of the Prime Minister have made any effect, have helped to decrease these incidents or has the Police efficiency increased as a consequence thereof I do not know. The newspapers are as full of these crimes as they were a month, two months or may be six months ago or perhaps the incidents of these crimes is increasing. I have a cutting here in which the incidents of rapes, reported rapes in the Punjab, during 1992, was more than the rapes reported to the Police

Stations in 1991. It is but evident that the crimes rate is increasing and what is required is to strengthen the institution of law and order and security, the Police and the security forces and perhaps go about it on the recommendations made by the Police Reforms Committee. Because I have not seen any of those recommendations being implemented on the ground.

I am sure, we are all concerned with these incidents and the sympathy is but natural, but is the running round by the Prime Minister doing any good for decreasing these incidents? How many of the culprits have been arrested where the Prime Minister has gone? How many of them have been brought to book? How many of them have been convicted? What is the efficiency of the Police? Somebody told me the other day that the Prime Minister happened to go to these victims somewhere in Sindh but all the people arrested over there have been let off by the Speedy Trial Courts; they have not been found guilty. I do not know perhaps they were not guilty, they were not the right people who were arrested. but then what is the purpose of running around and trying to sympathise with people without actually delivering justice to them? I think it is a matter which needs to be looked at very seriously.

Sir, the President in the very beginning of his speech had mentioned about the escalating Government - Opposition confrontations which happily, since the speech, seems to have resolved but there is one thing which I would like to find out from the government. How comes this sudden change of heart?

If I remember correctly even some of the Ministers sitting here including the Prime Minister, some MNAs have been levelling very serious charges against the Leader of the Opposition. They have mentioned that she is a traitor, she let out the secrets of Pakistan in Toronto in an interview in America. All sorts of things were said against her and suddenly we are now told that we have patched up. I would like to find out whether these Ministers including the Prime Minister were trying to play to the gallery by accusing the Leader of the Opposition of being a traitor for working against the interests of Pakistan and if they were playing to the gallery at this time they apologize to the people of Pakistan and admit that what they had said about the Leader of the Opposition was not true.

Sir, while the President did mention something about legislation by Ordinances and this is something which has been going on prepetually and I spoke at length on this during the last debate on the President's speech. I hope the Government has now realized that they should not come up with Ordinances and especially with abnoxious Ordinances which they then have got to withdraw because of public protest. The conduct of our business in the Houses by the government in Parliament has not been proper. There is a lack of interest in parliamentary proceedings which is depicted by the frequent adjournments of the National Assembly proceedings due to lack of quorum and even in the Senate, Mr. Chairman, Sir, even during our sessions the questions go un-answered because the Ministers are not there; the replies are not received in time; the Ministers hardly turn up over here and we are lucky today

that we have three Ministers sitting here which is unusual. Unless the government realizes its responsibility towards Parliament, and the government is prepared to accept Parliament as a supreme body, things will not improved.

Sir, suddenly we have the press, (the media) the government and the opposition talking about the 8th Amendment and trying to link it with the Presidential Election. I have no quarrel with anybody who is against certain parts of the 8th Amendment and I have no quarrel with anybody who may be wanting those in place but why all of a sudden the government has started flashing this across the newspapers and the media and all over the place and they are trying to link with the Presidential Election. I think the Presidential Election has nothing to do with the 8th Amendment and the 8th Amendment as such is a very extensive amendment and nobody, I think, can repeal the whole of the 8th Amendment but in case there is anything which is objectionable or which the government feels is objectionable that can be debated in the House and if the Members so feel they can amend whatever they like but the way they are going about it, I feel, trying to resolve the issue outside the House may perhaps not be a right thing to do and especially when they link it up with the Presidential Election. The Presidential Election, I believe is about, perhaps, eight months away and we have started hearing about this 8th Amendment and with intensity eversince the so-called patch up with the government and the opposition, some people say that this is one of the issues on which the government has patched up with the opposition. We know nothing about it being in the government party. We are

not aware of what the terms of the patch up are. I hope my Members on the opposite benches would be able to enlighten me on what sort of bargain has been struck, but I would urge my colleagues over here that we should go about the 8th Amendment and the Presidential Election in a more dignified manner.

Mr. Chairman, I have completed my twenty minutes and true to my promise I shall not speak after twenty minutes. Thank you very much, Sir.

Mr. Chairman: Thank you, Tariq Chaudhry Sahib.

جناب محمد طارق چوہدری: بسم اللہ الرحمان الرحیم۔ شکریہ جناب چیئرمین! بہت دنوں کے بعد مجھے پھر سے کوئی بات کرنے کا موقع مل رہا ہے۔ اس سے پہلے کہ میں اپنے اصل موضوع کی طرف آؤں میں آپ کی توجہ ایک دوسرے مسئلے کی طرف دلانا چاہوں گا۔ جناب چیئرمین! پارلیمنٹ کے دونوں ایوان، جتنے بھی موجود ادارے ہیں ان میں سب سے زیادہ بلند و بالا خیال کئے جاتے ہیں اور پروٹوکول میں سینٹ کو تھوڑی سی برتری بھی حاصل ہے۔ جناب چیئرمین! سینٹ پروٹوکول میں چیف جسٹس، سپریم کورٹ آف پاکستان سے بھی سینئر ہوتا ہے۔ اسی طرح ممبر سینٹ جج سے سینئر ہوتا ہے تو یہ اس ادارے کی وجہ سے ہے۔ 6 فروری 93ء کا ایک تراشا میرے سامنے ہے۔ سپریم کورٹ اپنے اور اپنے چیف کے بارے میں اگر کوئی بات کہی جائے تو از خود اس کا ایکشن بھی لیتی ہے۔ اسی طرح یہ بھی ایک محترم ادارہ ہے اور اس کے بارے میں جو کچھ کہا جائے، جو کچھ لکھا جائے وہ بھی بڑا اہم ہے تو یہ 6 فروری 1993ء کا "پاکستان" میرے سامنے ہے۔ اس میں کہا گیا کہ سپریم کورٹ کو جنرل بیگ کا پیغام وسیم سجاد نے پہنچایا تھا۔ وسیم سجاد نے جنرل سے خدشہ ظاہر کیا تھا کہ سپریم کورٹ جونیجو کی اسمبلی کو بحال کرنے والی ہے، جس کے جواب میں جنرل بیگ نے پیغام بھیجا۔ تو یہ 6 فروری کی بات ہے، پرانی ہوگئی اگرچہ اس وقت سینٹ کے چیئرمین آپ نہ تھے لیکن بہرحال آپ سینیٹر تھے۔ سینٹ کے ممبر اور وزیر قانون و پارلیمانی امور تھے۔ اس کے

بعد آپ کی طرف سے ایک تردید شائع ہوئی لیکن 27 فروری یعنی کل کے اخبار میں اس چیز کو دہرایا گیا ہے اور کل کا اخبار جو ہے اس نے لکھا کہ صدر اسحاق جونیجو کی حکومت بحال کرنے کے حق میں تھے۔ بیگ کا ارادہ کچھ اور تھا۔ بار بار کی اپیل کے باوجود نگران وزیراعظم کا تقرر نہ کرنے کی وجہ بھی یہی تھی۔ صدر کو یقین تھا کہ جونیجو صدارتی الیکشن میں ان کی حمایت کریں گے۔

الیکشن کی تاریخ جوں جوں نزدیک آرہی تھی جی ایچ کیو کو اندازہ ہو رہا تھا کہ حالات کیا رخ اختیار کریں گے۔ وسیم سجاد روزانہ جی ایچ کیو حاضری دیتے تھے۔ جنرل بیگ نے کئی بار وسیم سجاد پر تنقید کی کہ وہ اسحاق خان سے ملے ہوئے ہیں۔ وسیم سجاد نے کہا وہ ان کے موقف کی حمایت کریں گے۔ یہ کل کے اخبار کی خبر ہے۔ جناب عالی! اس میں آپ کی ذات کا مسئلہ نہیں ہے اس وقت آپ چیئرمین سینٹ ہیں اور تب بھی آپ اس کے ممبر تھے۔ لہٰذا آپ کی طرف سے الگ تھلگ اس کی تردید کر دینا کافی نہیں ہے۔ اگر سپریم کورٹ ایک چھوٹے سے واقعہ کا نوٹس لے سکتی ہے اسی طرح کی آپ کے پاس بھی ایک کمیٹی ہے۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ اس واقعہ کو ہماری پریولج کمیٹی کے سپرد کیا جانا چاہیئے تاکہ وہ اس کے بارے میں پوری طرح چھان پھٹک کرے۔ اس کی جو بھی اصل اور صحیح صورت حال ہے وہ .....

جناب چیئرمین: طارق صاحب، میں نے بھی یہ پڑھا تھا لیکن میں نے اس پر تبصرہ کرنا یا مزید کچھ کہنا اس لئے مناسب نہیں سمجھا کیونکہ یہ سارا معاملہ عدالت میں ہے اور عدالت میں فیصلہ ہونے دیں پھر دیکھا جائے گا۔ یہ (خبر) میں نے بھی پڑھی تھی لیکن اس پر تبصرہ کرنا یا مزید کچھ کہنا میں نے اس لئے مناسب نہیں سمجھا۔

جناب محمد طارق چوہدری: بہرحال میں اس بات کو جو یہاں پر ہے، اس کا عدالت کے ساتھ نہیں، سینٹ کے ساتھ تعلق سمجھتا ہوں اور اس کو اسی نسبت سے دیکھنا چاہیئے۔ جناب چیئرمین! صدر کا خطاب جو 23 صفحات پر مشتمل ہے، یہ اپنے اندر مطالب اور مفاہیم کی ایک بہت بڑی دنیا لئے ہوئے ہے۔ 23 صفحے کا یہ خطاب، اگر کوئی آدمی اس کو آسان لفظوں میں ایکسپلین کرنا چاہے تو شاید چھ سو صفحات کی کتاب بن سکے گی، اس کا ہر جملہ فلسفے کی طرح گہرا، اور نظریات

افلاطون کی طرح بلند ہے۔

اس پر اس ایوان اور ایوان زیریں میں بہت کچھ کہا جا چکا ہے اور بہت کچھ سنا جا چکا ہے اور آج آخری دن ہے لہٰذا کوئی چیز ایسی بچی نہیں ہو گی کہ جس کا میں ذکر کروں۔ بہرحال جب میں اس کتاب کو پڑھتا ہوں، اس کے جملوں کی ترتیب، اس کے لفظوں کا flow اوراپنے اظہار کا طریقہ تو میں سوچتا ہوں کہ بی بی سی والوں نے پاکستان کا موقف دنیا بھر کو سنانے کے لئے صدر پاکستان کو کیوں مدعو نہ کر لیا کہ وہ پوری دنیا میں اپنا موقف پیش کرتے۔ کیونکہ بھارت کے وزیر اعظم کے بعد بنگلہ دیش کی خالدہ ضیاء اور پھر سری لنکا کے چیف ایگزیکٹو کو بھی ایسی ہی دعوت دی گئی اور وہ آ کر پوری دنیا کے سامنے مسائل بھی بیان کرتے ہیں اور اپنے موقف کی سچائی ثابت کرنے کے لئے بھی بات کرتے ہیں۔ ہمارے وزیراعظم کو بھی یہ موقع ملا مگر ظاہر ہے کہ ان کی گوناں گوں مصروفیات اتنی ہیں اور وہ اتنے مصروف آدمی ہیں کہ وہ وقت نہیں نکال سکے۔ بھارتی وزیراعظم یا بنگلہ دیش کا وزیراعظم ہونا کوئی ایسا مصروف جاب نہیں ہے۔ پھر انہوں نے دوبارہ موقع دیا اور اس کی خبر بھی چھپ گئی کہ جب آپ کے پاس وقت ہو تب آپ ہمیں موقع عنایت فرمائیں۔ ہم پوری دنیا کے سامنے آپ کے ذریعے سے 'کشمیر کا مسئلہ، نیوکلیئر issue اور دوسرا جو پاکستان کا موقف ہے اس کو جاننا چاہتے ہیں۔ لیکن بہرحال فرصت نہیں تھی، نہیں جا سکے، اور اگر یہ کام صدر مملکت کو سونپا جاتا تو آسان تھا۔ کیونکہ وزیراعظم بہت busy ہیں۔ اچانک انہیں دورے کرنے ہوتے ہیں۔ دو دن انہیں فیصل آباد ایک پیر کے در پر حاضری بھی دینا تھا، کشتیاں دیکھنے کا پہلے سے پروگرام تھا۔ کرکٹ کھیلنا ان کے شیڈول میں شامل تھا۔ اور پھر یہ کہ ان کو اچانک بعض جگہوں پر جانا ہوتا ہے، دیکھنے کے لئے، ہاریوں میں زمین بھی تقسیم کرنی ہوتی ہے۔ اور اس اچانک دورے کی آٹھ دس دن پہلے ریہرسل ہوچکی ہوتی ہے۔ تو وہ بڑا مشکل ہو جاتا ہے اتنی ریہرسل، اتنا پیسہ خرچ جو کیا ہوا ہوتا ہے۔ جو وقت اس پر لگایا گیا ہوتا ہے اس کو خواہ مخواہ ضائع کیا جائے۔ اس میں فن بھی ہے، اس میں مصروفیت بھی ہے۔ اور اس طرح وہ ٹھیک نہیں رہتا۔

وہ سروجنی نائیڈو، بلبل ہندوستان ہوتی تھی، تو وہ کہتی تھیں کیا معلوم ہے لوگوں کو کہ گاندھی کی غربت پر ہمیں کتنا خرچ کرنا پڑتا ہے۔ اور گاندھی کی غربت پر وہ خرچ پارٹی کرتی تھی۔ اور آج غریبانہ دورں پر یہ خرچ حکومت پاکستان

کرتی ہے۔ تو ظاہر ہے کہ اتنی کثیر رقم جب خرچ کی ہوتی ہے، ہاریوں کے ساتھ رات قیام بھی ہوتا ہے، کون جانے کہ ہاریوں کے ساتھ قیام میں کتنی تکلیفیں ہوتی ہیں؟ اس ریسٹ ہاؤس پر ایک ملین روپیہ خرچ ہو جاتا ہے۔ تو ظاہر ہے گاندھی ایک چھوٹی سی قوم کے لیڈر تھے اور پاکستان کے لیڈر کے شایان شان جو کچھ ہو گا وہ آپ اور میں جانتے ہیں۔ بہرحال بات ہو رہی تھی بی بی سی والوں کی، اور چلی گئی کہیں اور۔

جناب چیئرمین! چونکہ بہت سی چیزیں پہلے کہہ دی گئیں لہٰذا جو باتیں یہاں نہیں چھیڑی گئیں ہیں، میں ان کو چھیڑنا چاہتا ہوں۔ ایک اہم مسئلہ جو آج کل شروع ہے وہ ہے آٹھویں ترمیم کا، اور آٹھویں ترمیم بہت سادہ سی چیز نہیں ہے۔ اور مجھ سے کہیں زیادہ آپ جانتے ہیں اور آپ اس کو سمجھتے ہیں، جناب چیئرمین ! اس میں بے شمار چیزیں ہیں لیکن خاص طور پر یہ دو ایسی چیزیں ہیں جن کے بارے میں بحث کی جاتی ہے اور شور اٹھا ہے لیکن بلی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹا، کہ کم از کم آٹھویں ترمیم کے اس مسئلے نے اتنا تو کیا ہے کہ سینٹ کے وہ ممبر جو پچھلے دو برس سے.....

حسن جس رنگ میں ہوتا ہے جہاں ہوتا ہے
اہل دل کے لئے سرمایہ جاں ہوتا ہے

اور وہ بیچارے اس حسن سے لطف اندوز ہونے کے لئے محروم چلے آرہے تھے۔ اور آٹھویں ترمیم کی مہربانی ہے کہ اب گھر بیٹھے فون آتا ہے، وقت ملتا ہے، بے طلب مل رہا ہے ٹاور بے چاہے گھر پہنچ رہا ہے۔ تو بہرحال مجھے اس بات کی خوشی ہے کہ یہ بھی آٹھویں ترمیم کا ایسا کمال ہے کہ جب وہ ختم ہوگئی تو لمحے وصل کے پھر کبھی نہ مل سکیں گے۔ جب تک یہ ہے تب تک یہ وزن بھی ہے اور سب کچھ۔

بہرحال جناب چیئرمین! جب آٹھویں ترمیم پاس کی گئی تھی۔ تو میں اس وقت بھی سینٹ کا ممبر تھا۔ اور پنجاب میں......اور جناب چیئرمین! غالب خستہ کے بغیر کون سے کام بند تھے۔ بہرحال تو میں ذکر کر رہا تھا کہ جب آٹھویں ترمیم پیش کی جا رہی تھی اور منظور کی جارہی تھی تو تب بھی میں سینٹ کا ممبر تھا۔

اور میں اس کو اپوز بھی کر رہا تھا- تو پھر مجھے بھی یہ کہا گیا کہ آپ وزیراعظم محمد خان جونیجو صاحب، جب وہ بلائیں تو آپ ان سے مل لیں اور اس کا کوئی نہ کوئی حل نکالیں- تو آٹھویں ترمیم کئے جانے کا فائدہ ایک آدمی نے اٹھایا بہت سے دوسرے لوگوں کی طرح، اور پھر آٹھویں ترمیم کی implementation کا فائدہ بھی اس نے اٹھایا اور اس کے عہدے کو اللہ تعالیٰ نے ترقی دی یعنی آٹھویں ترمیم بنائے جانے کا فائدہ اٹھایا اور پاکستان کے سب سے بڑے ایگزیکٹو عہدے پر پہنچے اور اب کہا جا رہا ہے کہ آٹھویں ترمیم کے ختم کئے جانے کا فائدہ بھی مجھے دیجئے-

جناب چیئرمین! مینڈیٹ ہے، آپ نے آٹھویں ترمیم کے حق میں مینڈیٹ دیا- آپ نے حکومت کو ڈسمس کروانے کے لئے کوشش کی، جدوجہد کی، لوگوں کو ساتھ ملایا، بیان بازی کی، جلوس نکالے، سب کچھ کیا اور پھر جب ہم دوبارہ مینڈیٹ کے لئے گئے نہ اپوزیشن نے اور نہ آج کی حکومت نے اس کے خلاف کچھ کہا اور اب اگر اتنی اہم چیز کو جس کے مطابق آپ مینڈیٹ بھی لے کر آئے- اور جس کے استعمال اور موجودگی سے آپ نے فائدہ بھی اٹھایا- اگر آج آپ اس کو ختم کرنا چاہتے ہیں تو بصد شوق کیجئے لیکن اس بات کو یاد رکھیئے کہ وہ دو آرٹیکل جن کو آپ ختم کرنا چاہتے ہیں- ایک ہے (58) 2 بی صدر کا یہ اختیار کہ اگر حکومت آئین اور قانون کے مطابق نہ چل رہی ہو- آپ شرط دیکھیے اگر حکومت آئین کے مطابق نہ چل رہی ہو- تو صدر اسمبلی dissolve کر دے گا- آپ غور فرمائیے کہ کیا کوئی حکومت آئین کے خلاف چلتے ہوئے قائم رہ سکتی ہے- رہنا چاہئیے اس کو- اور دوسرا اختیار ہے صدر کو چیف آف آرمی سٹاف لگانے کا- جناب چیئرمین! ان دونوں اختیارات کو آپ پی این اے کے منشور میں دیکھئے- وہ پی این اے جس کی تحریک کے تین ہزار شہداء کے خون کے ذریعے، خون کے راستے سے آپ پھسلتے ہوئے یہاں تک پہنچے ہیں- تین ہزار شہداء کے اس کے منشور میں یہ بات شامل تھی کہ اختیارات کو متوازن کیا جائے اور اگر اس وقت اختیارات متوازن ہوتے تو گیارہ سال کا مارشل لاء ہم سب کو نہیں بھگتنا پڑتا- اور دوسری شق کہ صدر پاکستان جو ہے اس کے پاس اختیار ہونا چاہیئے کہ وہ سی او ایس کو اپوائنٹ کرے- یہ اگر جاننا ہے تو ان بلوچستان والوں سے پوچھیئے- ان سے کہیے کہ کھڑے ہو کر بتائیں کہ کیا وزیراعظم کے پاس اختیار ہونا چاہیئے- جس کا ایک ایک گھر، ایک ایک گاؤں، ایک ایک بچہ بمباری اور گولیوں سے بھسم کیا گیا

اور پھر فرنٹیئر والوں سے پوچھیئے جن کی حکومت............

میر عبدالرحمٰن جمالی: پوائنٹ آف آرڈر -

جناب چیئرمین: ایک منٹ جمالی صاحب آن پوائنٹ آف آرڈر-

میر عبدالرحمٰن جمالی: جناب والا! یہ ٹھیک ہے لیکن یہ اس وقت کے وزیراعظم کی بات کریں- اس وقت کے نہیں-

جناب چیئرمین: جی اسی وقت کے وزیراعظم ......

Mir. Abdur Rehman Jamali: He should correct himself.

جناب محمد طارق چوہدری: نوبت آجائے گی فکر مت کیجیئے- اگر آپ کو ان خفیہ پیغامات کا علم نہیں ہے جو تین وزراء اعلیٰ کو ملے ہیں صدر کی حمایت کرنے کے نتیجے میں- جب نوبت یہاں تک آجائے گی-

میر کیا سادہ ہیں بیمار ہوئے جس کے سبب
اسی عطار کے لونڈے سے دوا لیتے ہیں

بہرحال! تو جناب ان سے پوچھ لیجیئے اور اگر آٹھویں ترمیم ختم کرنے کا شوق ہے- آیئے رن پڑا میدان گرم ہے- آیئے initiate کیجیئے لیکن یہ جان لیجیئے گا جناب چیئرمین ! کہ اس کے لئے ضروری ہے- مینڈیٹ اس کے خلاف ملا ہے- مینڈیٹ آٹھویں ترمیم رکھنے کے حق میں ملا ہے- اور میں یہ کہوں گا کہ اگر یہ بات ہے تو آیئے پھر ایک قومی حکومت تشکیل دیں- آیئے اس چیز کو فیلڈ میں لے کے چلیں- آیئے اس کی بنیاد پر الیکشن کروائیں- اور آئیں پھر اس مینڈیٹ کے مطابق اس آٹھویں ترمیم کو ختم کیجیئے بڑے شوق کے ساتھ-

جناب چیئرمین! دوسرا بہت شور ہے روزگار سکیم کا اور شروع کرنے والے

ہیں ماہر اقتصادیات، صنعت کو جاننے والے۔ جناب چیئرمین! ایک شروع کی گئی ہے ٹیکسی سکیم، جس میں بے روزگار نوجوانوں کو ٹیکسی عطا ہوئی ہے۔ جناب چیئرمین! آپ غور فرمایئے کہ اس کے پاکستان کی صنعت پر اور پاکستان کے روزگار پر کیا اثرات مرتب ہو رہے ہیں۔ ہر قسم کی گاڑی کو، ہر قسم کے make کو پاکستان میں ٹیکسی چلانے کی اجازت دے دی گئی ہے۔ فرض کیجیئے پاکستان میں دس ہزار ٹیکسیاں آئی ہیں اور ہر ٹیکسی کی قیمت فرض کیجیئے اوسطاً 5 لاکھ ہے۔ جناب چیئرمین! اگر ایک make ہوتا، دو make ہوتے تو پاکستان میں آٹو انڈسٹری ترقی کرتی۔ دو make ہوتے، ایک make ہوتا تو جناب ہر گاؤں اور ہر شہر میں کوئی اس کا

34

دروازہ بنا رہا ہوتا، کوئی اس کی لائٹ بنا رہا ہوتا، کوئی اس کا بلب بنا رہا ہوتا کوئی اور چیز بنا رہا ہوتا۔ لیکن آپ نے پورا اہتمام کیا ہے کہ پاکستان میں کسی بھی کار کو اتنی تعداد میں نہ آنے دیا جائے کہ اس کا spare پاکستان میں تیارہو سکے۔ ہمیشہ اس کا spare باہر سے آتا رہے۔ نہ وہ اتنی زیادہ تعداد میں ہو کہ باہر سے آنے والا spare بھی کافی تعداد میں ہو اور سستا ملے۔ نتیجہ یہ ہو گا کہ نہ تو پاکستان میں spare کے لئے کوئی انڈسٹری لگ سکے، spare کے لئے دکانیں کھل سکیں،spare کے لئے کوئی یعنی لوگوں نے جو خود بنا سکتے تھے وہ بنا سکیں اور محدود تعداد ہونے کی وجہ سے اس کا spare بھی کم آیا۔ جب spare کم آیا تو اس کا نتیجہ کیا نکلا۔ کہ جب گاڑی خراب ہوئی تو ایک ٹیکسی والے کے پھر بس میں نہیں ہے کہ وہ قسط بھی فراہم کرے اور اس کی repair بھی کرائے مہنگے spare کے ساتھ۔ نتیجہ یہ ہو گا کہ بجائے اس کے کہ ملک کے اندر spares بنتے۔ ملک کی اپنی انڈسٹری ترقی کرتی۔ چھوٹے چھوٹے لوگ کوئی اپنا کام چلاتے۔ دس ہزار ٹیکسیاں اس طرح دے کر پاکستان کی آٹو انڈسٹری کو برباد کیا۔ اور دس ہزار آدمیوں کو روزگار پر لگایا۔ اور یہ ٹیکسیاں اگلے دو برس میں تین برس میں سکریپ ہو جائیں گی کیونکہ اس کا ڈرائیور اس کا اتنا مہنگا spare خریدنے کی پوزیشن میں نہیں ہو گا۔ یہ ایک صنعت کار کا کارنامہ ہے۔ پھر آئیے صنعت کی طرف کہ جناب چیئرمین ! یہاں لوگ بیٹھے ہوئے ہیں جو سندھ سے بھی تعلق رکھتے ہیں اور میں بیٹھا ہوا ہوں جو سنٹرل پنجاب سے تعلق رکھتا ہوں۔ سب جانتے ہیں کہ پاکستان میں جوں جوں آپ up-side پر آئیں گے تو کاٹن کی growth زیادہ ہے۔ اور کاٹن کا lint اچھا ہے۔ اور کاٹن کی قیمت زیادہ ہے۔ اور جوں جوں آپ زیریں علاقے کی طرف چلے جائیں۔ سندھ میں داخل ہو جائیں تو کاٹن کی جو فی ایکڑ پیداوار ہے وہ پنجاب کے مقابلے میں بالکل ہی کم ہے۔ آدھی سے بھی کم ہے لیکن وہاں پر

گنے کی پیداوار پنجاب کے مقابلے میں تقریباً دوگنی ہے- اور yield ہی زیادہ نہیں اس کے گنے میں سے رس کی recovery بھی زیادہ ہے- ہم نے کیا کیا ہے اپنی سہولت کے لئے- اپنے لئے اپنی اتھارٹی کو استعمال کرتے ہوئے، اپنی پاور کو استعمال کرتے ہوئے کیا کیا ہے- ہم نے خود اپنے لئے سنٹرل پنجاب میں ساری کی ساری شوگر ملیں لگا دی ہیں- پاکستان کی خدمت کی ہے کہ یہاں پر مہنگی کاٹن دوگنی جو ایک ایکڑ میں ہوتی ہے وہ نہ ہو- یہاں پر آدھا پیدا ہونے والا گنا ہو- اور سندھ بیچارہ جس کی رورل انڈسٹری صرف شوگر ہو سکتی ہے اور کوئی انڈسٹری وہاں صدیوں میں نہیں لگے گی اس کو اس سے محروم کر دیا اور ان کو مجبور کیا کہ گنے کی بجائے تم یہاں پر کاٹن اگاؤ- ایک طرف وہاں پر برسوں سے لاء اینڈ آرڈر خراب ہے جو ان کی قدرتی صنعت تھی وہ بند ہو رہی ہے- وہاں بے روزگاری میں اضافہ ہوا ہے- وہاں پر مشکلات بڑھی ہیں- دوسری طرف آپ نے پورا اہتمام کیا ہے کہ وہاں پر پیدا ہونے والا گنا جو ان کو زیادہ قیمت دیتا ہے وہ صنعت وہاں نہ لگے اور وہ صنعت آپ نے سنٹرل پنجاب میں لگا دی ہے- یہ ہے جناب پلاننگ- یہ ہے ایک صنعت کار کی سوجھ بوجھ، یہ ہے پاکستان سے محبت کی علامت- جناب چیئرمین اب کتنے منٹ ہیں جی میرے پاس -

جناب چیئرمین: بس اب قریب ہی ہے ذرا winding-up ہی شروع کریں-

جناب محمد طارق چوہدری: تو ٹھیک ہے میں یہیں پر ختم کرتا ہوں- باقی یار زندہ صحبت باقی -

جناب چیئرمین: شکریہ جی thank you جی اس کے بعد ہیں جی راجہ محمد افضل صاحب-

راجہ محمد افضل: جناب چیئرمین! شکریہ جناب والا! میں گزارشات تو تفصیل سے 22 دسمبر کے صدر صاحب کے خطاب پر کرنا چاہتا تھا، لیکن اس سے پیشتر میرے نہایت ہی واجب الاحترام دوست اور اس موقر ہاؤس کے رکن جنہوں نے Presidential Address پر تو کوئی تقریر نہیں کی لیکن کچھ ذاتیات کے معاملات کچھ ایسی باتیں جن کی صدر صاحب نے تعریف بھی کی- ایک طرف تو وہ اپنے آپ کو لیزآن کر رہے ہیں پریذیڈنٹ صاحب سے لیکن پریذیڈنٹ صاحب نے

اپنی تقریر میں self employment اسکیم کی خاصی تعریف کی ہے لیکن انہوں نے اس کو بھی یہاں condemn کیا اور مجھے یوں لگا کہ پتہ نہیں یہ آیا صدر صاحب کی تقریر کو condemn کر رہے تھے یا کچھ اپنا غصہ ایک خاص الفاظ استعمال کر کے chief executive پر نکال رہے تھے۔

سب سے پہلے تو میں گزارش کروں گا کہ جناب والا! موصوف نے اپنی تقریر میں eighth amendment کا ایسے ذکر کیا جیسے کہ کوئی نعمت غیر مرقبہ ہے جس کا نعم البدل شاید اس دنیا کی تاریخ میں کہیں نہیں ہے۔ جناب والا! میں گزارش یہ کروں گا کہ آج تک آپ دنیا کی پارلیمنٹس کی تاریخ یا جہاں بھی جمہوریت ہے کہیں سے بھی اوراق الٹ کر دیکھ لیں۔ یہ بات کہیں نظر نہیں آتی ہے کہ جناب جو لوگ electoral ہوں، جو لوگ کسی کے عہدے پر لانے کے لئے اپنا ووٹ دیں اور وہی آدمی اس عہدے پر پہنچ کر اپنے electoral کا احتساب کرے۔ یہ جناب بالکل نرالی بات ہے۔ دنیا بھر میں یہ بات کہیں نہیں ہے۔ ہمیشہ احتساب کرنا ہوتا ہے ووٹروں نے ۔ مثلاً ووٹر Provincial Assemblies ہیں، سینٹ ہے اور نیشنل اسمبلی ہے۔ ان کا حق بنتا ہے کہ جس کو اپنا ووٹ دیکر اس کو کسی عہدے پر لائیں، ان کا احتساب کریں لیکن جناب یہاں الٹی گنگا بہہ رہی ہے کہ ووٹرز کا احتساب جو ہے وہ، وہ آدمی کرتا ہے جو ووٹ لیکر elect ہو جاتا ہے۔ مجھے سمجھ نہیں آئی کہ طارق صاحب نے یہ logic کہاں سے نکالا ہے کہ جناب یہ اگر آٹھویں ترمیم نہ رہی، تو شاید اس ملک کی بقاء خطرے میں پڑ جائے گی۔

جناب والا! میری گزارش یہ ہو گی کہ آج جو سلسلہ یہاں پر شروع ہے اور ایک بات اور بڑی عجیب کی انہوں نے مجھے ابھی ذہن میں آئی ہے کہ جناب یہ مینڈیٹ کے خلاف بات ہو گی۔ اس بات پر ہم مینڈیٹ لے کر آئے ہیں۔ جناب والا! میں یہ گزارش کروں گا کہ شاید ان کے علم میں بات نہیں ہے کہ اس بات کے against اس ملک کی سب سے بڑی جماعت نے دوسری بڑی جماعت Peoples Party کے منشور میں almost یہ بات شامل تھی کہ ہم اگر پاور میں آئیں گے تو اس eighth amendment کو ہٹا دیں گے۔ اور جناب والا! یہ میرے موصوف دوست شاید اپنی، میں یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ کم علمی کی وجہ سے لیکن یہ میں ضرور کہوں گا کہ ایک ذاتی کسی چیز کے دکھ کی وجہ سے یہ بات کہہ

گئے اور اکثر میرا خیال ہے کوئی بھی آدمی جو اپنے آپ کو ڈیموکریٹ کہتا ہے یا جمہوریت پسند ہے وہ یہ بات کبھی بھی نہیں کہہ پائے گا۔

جناب والا! کچھ اور باتیں بڑی ذاتی سی اور میں سمجھتا ہوں کہ اس موقر ہاؤس کے ممبران کے status کی بات بھی انہوں نے کی کہ جناب والا! بی بی سی کے لئے چیف ایگزیکٹو کو موقع ملا کہ انہوں نے انٹرویو دینا تھا۔ یہاں پر شاید ہندوستان کے وزیراعظم نے بھی interview دیا اور پھر انہوں نے بنگلہ دیش کی وزیر اعظم کا بھی نام لیا اور کہا کہ ہمارے وزیراعظم کو ٹائم نہیں مل سکا تو وہ بی بی سی کو انٹرویو نہیں دے رہے۔ تو جناب والا! میں ان سے گزارش کروں گا کہ یہ بی بی سی کو کب سے انہوں نے اتنا مقتدر سمجھا کہ جناب جو بات بی بی سی پر ہوتی ہے۔ میرے خیال میں زیادہ experienced لوگ یہاں پر بیٹھے ہیں کہ اکثر وہ مسلمانوں کے interest کے خلاف ہوا کرتی ہے۔ کبھی آج تک تو نہیں دیکھا ہے انہوں نے اگر پروموٹ کرنا ہے تو jews کے concept کو promote کرتے ہیں، jews کے ideas کو promote کرتے ہیں ان کے interest کو watch کرتے ہیں اور یہ کہا گیا کہ جناب والا! وزیراعظم صاحب کو ہاریوں میں زمین تقسیم کرنے سے فرصت نہیں ملتی۔ یہاں تک کہا گیا کہ جناب والا! ان کو کرکٹ کھیلنے سے شاید فرصت نہیں تھی اس لئے بی بی سی کو انٹرویو نہیں دیا۔

جناب والا! میں گزارش کروں گا اور یہاں تک کہا گیا کہ ہاریوں میں رات بسر کرتے ہیں اور ریسٹ ہاؤس میں رہتے ہیں تو جناب والا! آپ نے بھی دیکھا اور پوری قوم نے دیکھا کہ وہاں تو نہ تو ریسٹ ہاؤس تھا۔ وہاں تو tent لگے ہوئے تھے اور جو وزیراعظم اپنے غریب بھائیوں کے ساتھ وہاں tent میں رات بسر کرتا ہے، جنگل میں رات بسر کرتا ہے اس کو appreciate کرنا چاہیئے نہ کہ یہ کوئی allegation ہے۔

جناب والا! یہ کہا گیا کہ ایک industrialist کی یہ سوچ ہے اور facts کو موڑ توڑ کے اور میرے بھائی کو یہ بالکل نہیں پتہ ہے کہ کس چیز کی yield سندھ میں زیادہ یا پنجاب میں زیادہ ہے۔ کہاں پر کون سی چیز زیادہ ہوتی ہے۔ سرحد میں زیادہ ہوتی ہے یا پنجاب میں زیادہ ہوتی ہے۔ وہ اپنے آپ کو ہر بات کا expert کہتے ہوئے شاید ممکن ہے ان کو سبزیوں کے متعلق یہ اندازہ ہو لیکن باقی

فصلوں کی yield کا ان کو اندازہ نہیں ہو سکتا۔ اب یہ کہا گیا کہ جناب وزیراعظم کہنا۔ industrialist بھئی یہ کوئی گالی ہے۔ میں تو نہ industrialist ہوں، نہ مجھے کوئی industry کا تجربہ ہے، نہ کبھی لگائی ہے، نہ کبھی لگانی ہے لیکن ایک بات میں دیانتداری سے اور ایمانداری سے کہہ سکتا ہوں کہ جن کی ترجمانی آج یہ طارق چوہدری کر رہے ہیں feudals کی۔ میرے بہت سے بھائی یہاں پر بھی بیٹھے ہوئے ہیں۔ خدا کی قسم ان سے industrialist بدرجہا بہتر ہیں۔ اس کی وجہ، میں بتاتا ہوں اس طرف جناب ٹھیک ہے industrialist برا ہوتا ہو گا income tax بھی چوری کرتا ہو گا۔ سب کچھ کرتا ہو گا لیکن کچھ نہ کچھ غریب عوام کے لئے دیتا ہے۔ کہیں social security لاگو ہے۔

جناب چیئرمین: پوائنٹ آف آرڈر ۔

جناب عبدالرحمٰن جمالی: وہ کہتے ہیں کہ industrialist چور بھی ہے، سب کچھ ہے پھر کس لحاظ سے بہتر ہے۔ ہماری سمجھ میں نہیں آتا۔

راجہ محمد افضل خان: جی میں عرض کرتا ہوں، یہی عرض کرتا ہوں، آپ سن تو لیں مجھے، جناب اس لحاظ سے بہتر ہے کہ سوشل سیکورٹی اس پر لاگو ہے۔ کوئی نہ کوئی انکم ٹیکس دیتا ہے۔ اپنے غریب مزدوروں کے بچوں کے لئے۔ کہیں نہ کہیں اسکول بناتا ہے۔ ان کے رہنے کے لئے کالونی بھی کہیں نہ کہیں دینی پڑتی ہے، گورنمنٹ کی طرف سے کوئی نہ کوئی قدغن لگا ہوتا ہے اور کچھ نہ کچھ جو مزدور ہیں ان کے لئے کرنا ہوتا ہے اور جن کی ترجمانی طارق صاحب کر رہے ہیں، مجھے یہ بتایا جائے کہ اس ملک میں خاص طور پر میرے بہت سے سندھ کے دوست بیٹھے ہیں، سندھ میں ابھی بھی ڈیڑھ ڈیڑھ لاکھ ایکٹر کے جناب وہاں پر feudals موجود ہیں۔ چھ چھ ہزار دس دس ہزار ہاری ان کے موجود ہیں۔ مجھے بتائیں کس ہاری کے بچے کے لئے کوئی ہسپتال۔ کوئی اسکول، کوئی اور کام آج تک کیا ہے، نہیں صرف ایک بات کرتے ہیں کہ جناب ابھی ٹیکس جو ہے وہ بالکل نہیں ہونا چاہیئے۔ یہ ٹیکس نہیں ہو گا تو جناب ایگریکلچرل جو ہے یہ بالکل تباہ ہو کر رہ جائے گی۔ تو جناب ٹھیک ہے یہ بات اور تھی لیکن طارق صاحب نے جس انداز سے بات کی مجھے اس بات کا دکھ ہوا اور یہ کہا کہ جناب کرکٹ کھیلتے ہیں تو کیا جناب آپ بتائیں کہ کیا کھیلیں۔ وہ گڑیوں اور پٹولوں سے کھیلیں یا ان کو

گڑیا لاکر دے دیں، یہ کس سے کھیلیں بھئی نوجوان ہیں، جوان آدمی ہیں، کرکٹ کھیلتے ہیں۔ محنت کرتے ہیں اور اس کے بعد کبھی موقع ملتا ہے تو کرکٹ بھی کھیل لیتے ہیں۔ تو جناب والا! مجھے افسوس تھا مجھے پتہ نہیں تھا کہ یہ کس طرف جا رہے ہیں۔ میں ان کا نوٹس نہیں لے سکا۔

سید احسان شاہ : جناب والا! میرے دوست راجہ افضل صاحب جو کچھ سینٹ میں بیان کر رہے ہیں اس کا تو صدر صاحب کے خطاب سے کوئی تعلق ہی نہیں ، نہ کرکٹ کا تعلق ہے، نہ گڈی کا تعلق ہے تو وہ کہنا کیا چاہتے ہیں ؟

جناب چیئرمین : آپ کا پوائنٹ آف آرڈر ٹھیک ہے، جی راجہ صاحب۔

راجہ محمد افضل خان : جناب والا! ابھی طارق چوہدری صاحب بھی جو کچھ کہہ گئے ہیں وہ صدر صاحب کے خطاب پر ہی کہہ گئے ہیں اور میں اسی پر گزارشات کر رہا ہوں۔ میں کوئی نئی بات یا اپنے پلے سے کوئی بات نہیں کہہ رہا۔ تو جناب والا! پھر یہ کہا گیا ہے کہ یہ صدارتی انتخاب اور آٹھویں ترمیم کو......بات ملا جلا کر کی جا رہی ہے۔ جناب والا! مجھے خود اس بات کا افسوس ہے۔ مجھے خود اس بات کا دکھ ہے کہ سربراہ مملکت کا عہدہ جو ہے سیاسی، جغرافیائی لحاظ سے اور وفاق کے استحکام کے لحاظ سے بڑا ہی مقتدر عہدہ ہے بلکہ میں تو یہ کہوں گا کہ یہ عہدہ جلیلہ ہے۔ اس پر اس طرح نہیں ہونا چاہیئے تھا جس طور سے آج یہاں ہو رہا ہے۔ ہمارے پڑوس میں 45 سال سے ہندوستان میں صدارتی انتخابات ہو رہے ہیں لیکن کبھی اس طرح سے ایک سال پہلے یا مہینہ پہلے، دو مہینے پہلے انتخابی مہم، صدارتی انتخاب پر وہاں بھی شروع نہیں ہوئی ہے کیوں کہ یہ آئینی اعتبار سے بھی اور اتحاد کے اعتبار سے بھی یہ عہدہ جو ہے یہ ایک بڑا مقتدر عہدہ ہے۔ وہاں کیا ہوتا ہے کہ جو جماعت اقتدار میں آتی ہے چپکے سے اندر شاید ان کے کوئی بات ہوتی ہے۔ کسی ایک آدمی کو نامزد کر دیا جاتا ہے کہ فلاں جو ہیں وہ اس عہدے کے لئے ہیں اور وہاں پر صدارت کا انتخاب ہو جاتا ہے۔ صدر منتخب ہو جاتا ہے لیکن یہاں کیا ہوا جناب کہ کچھ دوست پچھلے دو تین مہینوں سے جب کہ ابھی الیکشن کو ایک سال رہتا تھا تو یہ طارق صاحب نے دوسری طرف تو بہت گلہ کیا لیکن مجھے گلہ کچھ اور بھی ہے۔ جناب والا! آج کے اخبار میں بھی تھا کہ صدر صاحب نے فلور کراسنگ کے متعلق ایک آرڈیننس جاری کیا جو اسمبلی میں through

نہ ہو پایا- اس کی تفصیل میں، میں نہیں جاؤں گا this way or that way کیوں نہ ہوا لیکن جناب ایک بات ضرور کہوں گا کہ آج جو لوگ، وہ لوگ بھی جو صدارتی خطاب کو سننا تک گوارا نہیں کرتے تھے ان میں سے بھی اور کچھ دوسرے لوگ اپنی جماعتوں کو چھوڑ کر، ابھی تک ان کی جماعتوں نے کوئی فیصلہ نہیں کیا، وہ جناب وہاں پر ملتے ہیں اور صبح سویرے جناب والا! ایک بیان اخبارات میں چھپا ہوتا ہے کہ ہم ایسے گئے تھے- کئی کہتے ہیں کہ ہم حمایت کے لئے گئے تھے-

جناب والا! میری تو سوچ یہ تھی کہ صدر صاحب، جب ایک دن بیان چھپے گا تو اگلے دن ہی اس کا کوئی نہ کوئی نوٹس لے لیں گے، یہ کہیں گے کہ بھئی آپ ایسا نہ کریں لیکن یہ بات ابھی تک نہیں ہوئی- شاید صدر صاحب کو کچھ دیر سے فیصلے کرنے کی عادت ہو گئی ہے یا عمر کی وجہ سے ہو گیا ہے کہ ابھی ایک فیصلہ انہوں نے کیا، یہ پیچھے تین چار مہینے پہلے کیا کہ لانگ مارچ شروع ہوا- دس تاریخ کو اس کا اعلان ہوا، 18 تاریخ کو لانگ مارچ تھا تو صدر صاحب نے اس کے متعلق کچھ نہ کہا- پھر 25 تاریخ کو ٹرین مارچ ہوا تو پھر بھی کچھ نہ کہا- 30 تاریخ کو جا کر صدر صاحب نے کہا کہ جناب یہ غیر آئینی ہے تو مجھے توقع یہ ہے کہ شاید اپنی وہ بات دیر آید درست آید کے مصداق یہ کہیں گے کہ یہ لوگ اپنی اپنی جماعتوں کو betray کر کے جو آ رہے ہیں اور مجھے مل رہے ہیں- شاید ان کے ذہن میں وہ بات بھی ہو گی جو انہوں نے فلور کراسنگ کے متعلق ہمارا ان کا موقف جو ہے وہ بڑا مضبوط رہا ہے اور میں اس کا معترف ہوں کہ یہ رہنا چاہیئے تھا تو میرا خیال ہے کہ یہ اس موقف پر واپس آ کر کسی نہ کسی دن اپنے احباب سے کہہ دیں گے جن جن لوگوں نے ---

جناب چیئرمین : جی وائنڈ اپ کر لیں -

راجہ محمد افضل خان : جناب والا! میں ابھی ایڈریس کی طرف تو جناب نہیں آیا..... میں تو ابھی جو طارق صاحب نے کچھ گزارشات کیں ان پر عرض کر رہا تھا- میں نے ایڈریس پر تو ابھی کوئی بات نہیں کی-

جناب چیئرمین : بہر حال ذرا کوشش کریں کہ جلدی وائنڈ اپ کریں-

راجہ محمد افضل خان : جناب والا! اب میں خطاب پر آتا ہوں، صدر صاحب نے اپنے خطاب میں بجا طور پر - میں جناب مختصراً عرض کرتا چلوں گا دو چار منٹ میں - پارلیمنٹ کی جو تعریف کی ہے میں سمجھتا ہوں وہ ٹھیک ہے کہ کوئی 95 کے قریب بل جو ہیں وہ پارلیمنٹ میں پیش ہوئے اور ان میں سے 35 منظور ہوئے- یہ واقعی ایک خوش آئند بات ہے- اس سے پہلے پارلیمنٹ میں کبھی اس قدر کام نہیں ہوا- دوسری بات جو سیلاب کے حوالے سے صدر صاحب نے کی ہے- میں یہ سمجھتا ہوں اس میں انہوں نے بالکل حقیقت پسندانہ موازنہ کیا ہے- سچی بات یہ ہے کہ اس سے پہلے بھی اس ملک میں قدرتی آفات آتی رہیں اور حکومتیں اعلانات بھی کرتی رہیں- باہر کے ملکوں سے امداد بھی مانگتی رہیں کیوں کہ اس سے directly affect جو ہوا ہے میرا ضلع ہوا ہے- میں سمجھتا ہوں کہ اس معاملے میں جس قدر محنت سے، جوان مردی سے وزیراعظم صاحب نے سیلاب زدگان کے آنسو پونچھے ہیں اور ہر ایک کی تکلیف رفع کرنے کے لئے ایک ایک گاؤں کا دورہ کیا ہے- میں سمجھتا ہوں اس سے پہلے اس کی کوئی مثال نہیں ملتی- سچی بات یہ ہے کہ جہاں پر سیلاب آیا ہے، لوگوں کی سوچ تو یہ تھی کہ جناب یہ سیلاب آ گیا اور اب یہ حکومت شاید وہاں پر پاپولر نہیں رہے گی لیکن میں ایمانداری کی بات کرتا ہوں کہ میرے ہاں جہلم میں سیلاب آیا ہے- جس قدر لوگوں کو کاروبار کے لئے قرض ملے ہیں، امداد ملی ہے، راشن ملا ہے، وہاں پر اس حکومت کا خاص طور پر وزیراعظم صاحب کا گراف پہلے سے کہیں زیادہ بڑھ گیا اور صدر صاحب نے یہ بات ٹھیک کہی کہ اس سیلاب کے لئے انتظامی صلاحیتوں کا مظاہرہ اس حکومت نے بجا طور پر کیا ہے-

جناب والا! نج کاری کی پالیسی کے متعلق بھی، صدر صاحب نے جو اطمینان کا اظہار کیا ہے، میں اس پر زیادہ تفصیل میں نہیں جانا چاہتا اور اس بات کا اعتراف بھی صدر صاحب نے کیا ہے کہ اس حکومت کے زمانے میں کساد بازاری کے باوجود بارہ عشاریہ کچھ فیصد برآمدات میں اضافہ ہوا ہے اور exchange reforms کی بھی خاص طور پر صدر صاحب نے تعریف کی ہے- کہ جب یہ ایکسچینج ریفارمز آئیں تو یہ میرے بھائی جو آج ابھی تنقید کر کے بیٹھے ہیں اس طرح کی باتیں کرتے تھے کہ جناب یہ سرمایہ جس وقت دل آئے گا آدمی کا لے جائے گا اور یقین کر لیں کہ یہاں سے سرمایہ باہر منتقل ہو جاتا ہے- یہاں reservoirs ہرگز نہیں بڑھیں گے- اس پر بہت تقاریر ہوئیں لیکن یہ جو سوچ وزیراعظم صاحب نے

ایکسچینج ریفارمز کے لئے دی، آپ نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے reservoirs جو ہیں ہمارے ایکسچینج کے یہ بڑھ گئے اور صدر صاحب نے بھی اس کا اعتراف کیا کہ یہ تیس جون کو ایک ارب ڈالر سے زیادہ تھے۔ یہ بھی میں سمجھتا ہوں کہ اس حکومت کی، وزیراعظم صاحب کی ایک بہت بڑی کامیابی ہے۔ اسی طور پر انہوں نے عوامی اور فلاحی منصوبوں کی بھی تعریف کی، اسی طریقے سے بیت المال فنڈ کے قیام کی بھی تعریف کی self-employment جس کی ابھی، طارق صاحب جس پر بہت تنقید کر کے بیٹھے ہیں، اس کی بھی صدر صاحب نے تعریف کی ہے اور سچی بات یہ ہے کہ اس سے غریب لوگوں کو روزگار ملا ہے اور روزگار کے مواقع میسر آئے ہیں۔

جناب والا! ایک بات جو صدر صاحب نے اپنی تقریر میں خاص طور پر کہی، اس میں سے زیادہ حصہ تو میں گزارشات کر گیا، طارق صاحب کے حوالے سے ہی کہ صدر صاحب نے خاص طور پر یہ کہا کہ یہ جو پارلیمانی نظام ہے اور جمہوریت ہے یہ self-correcting machanism ہے۔ یہ خاص طور پر صدر صاحب نے اپنی تقریر میں فرمایا۔ اسی کے حوالے سے میں جناب اس کی تائید کرتا ہوں اور ساتھ جس طرح میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ یہ self-correcting mechanism کو سمجھتے ہوئے اب صدر صاحب کے حکم کی تعمیل میں ہمیں یہ کرنا چاہیئے کہ اس کو correct کریں، اس میں یہ آئینی تبدیلی جو ہے، آٹھویں ترمیم جو ہے یہ ضرور آنی چاہیئے۔ جیسے میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ ہمارے ہاں گنگا کچھ الٹی بہہ رہی ہے اس طرح کہیں اور نہیں۔ اس کو بھی correct کرنا چاہیئے۔

جناب چیئرمین: آپ conclude کرلیں جی راجہ صاحب۔

راجہ محمد افضل خان: سر میں نے فارن آفیئرز پر بھی بات کرنی ہے۔

جناب چیئرمین: بہرحال پھر کبھی اچھا موقع مل جائے گا۔

Raja Muhammad Afzal Khan: Sir, Thank you very much.

جناب چیئرمین:- جی جناب طارق چوہدری آن پوائنٹ آف آرڈر۔

جناب محمد طارق چوہدری: جناب چیئرمین! میں اپنے فاضل دوست کی کچھ باتوں کا اعتراف کرتا ہوں، میں ابھی وہاں سے پچھلے دنوں گزرا تو جہلم میں آرمی کا جو بڑا سٹیڈیم ہے، وہاں نماز استسقا ہو رہی تھی اور لوگوں نے دعا کی کہ سیلاب سے اتنا فائدہ ہوا ہے کہ یا اللہ جلد دوبارہ بھیج، تو میں نے خود بھی دیکھا ہے۔

جناب چیئرمین: شکریہ جی۔ یہ پوائنٹ آف آرڈر نہیں بنتا۔ جی جناب وزیراعظم صاحب۔

جناب محمد نواز شریف (وزیر اعظم): شکریہ جناب چئیرمین! میرا ارادہ تو نہیں تھا کہ میں کچھ یہاں پر آج گفتگو کرتا لیکن بعض پوائنٹس جو کہ یہاں پر raise کئے گئے جن کے اوپر گفتگو ہوئی، میرا بھی دل چاہا کہ ایک دو باتیں ضرور کر لوں۔ گو آج مجھے ابھی تھوڑی دیر میں سندھ جانا ہے، رات تو آج وہاں میں نہیں رہ سکتا، دل تو بہت چاہتا ہے کہ وہاں زیادہ سے زیادہ وقت گزاروں لیکن مقصد یہ ہے کہ جو کام شروع کیا ہے وہاں پر، اس کو اب پایہ تکمیل تک پہنچایا جائے اور بیچ میں ان تمام ہاریوں کو نہ چھوڑ دوں، جن کی اب امیدیں بہت وابستہ ہو چکی ہیں اس حکومت سے اور وہ دل سے سمجھتے ہیں کہ اب جب ہمیں یہاں پر زمینیں الاٹ کی جا رہی ہیں،کم از کم ہمیں پورا پورا تحفظ بھی ملنا چاہیئے اور اگر ہم آج ان کی مدد نہیں کریں گے تو ظاہر ہے کہ وہ عدم تحفظ کا شکار ہوں گے اور جس کے نتیجے میں یہ سارا کیا دھرا جو ہے وہ اسی طرح سے رہ جائے گا۔ ایوان میں حکومت کے خلاف بھی، حکومت کے حق میں بہت سی باتیں ہوتی ہیں اور حکومت کی کارکردگی کا جائزہ اسی طرح سے لیا جاتا ہے اور یہی جمہوری طریقہ ہے جس کو جاری رہنا چاہیئے۔ مجھے اختلاف کرنے والوں سے کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اور ظاہر ہے کہ جو حکومت کی اچھی پالیسیوں کو سراہتے ہیں، میں یقیناً ان کا شکر گزار ہوں۔ جو مثبت اور تعمیری تنقید کرتے ہیں، میں ان کا بھی شکر گزار ہوں۔ کم از کم حکومت کی غلطیوں کو point out کر کے حکومت کو مواقع فراہم کرتے ہیں کہ حکومت ان کی اصلاح کرے۔ اپنی پالیسیوں کی اصلاح کرے۔ یہ ایک اچھی رسم ہے، ایک اچھی tradition ہے جس کو ہر صورت میں جاری رہنا چاہیئے۔

جہاں تک تعلق ہے ہمارے اقتصادی پروگرام کا، اقتصادی پروگرام اللہ کے فضل سے میں سمجھتا ہوں، میری اور قوم کی امیدوں کے مطابق آگے بڑھ رہا ہے اور ملک کی تاریخ میں یہ پہلا موقع ہے کہ ہم نے روایات سے ہٹ کر کام کئے ہیں، جن کے دور رس اثرات پاکستان کی سیاست میں اور پاکستان کی اقتصادیات کے اوپر مرتب ہوں گے۔ پہلے غالباً کبھی ایسے فیصلے نہیں ہوئے، نہ کئے گئے، اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہاں پر ایک controversy چھیڑی جائے کہ چونکہ میرا تعلق ایک industrial background سے ہے، اس لئے میں یہ کر رہا ہوں۔ یہ کام کوئی بھی سوجھ بوجھ رکھنے والا محب وطن پاکستانی جو ہے وہ کر سکتا ہے۔ چاہے اس کا تعلق agriculture backgound سے ہو یا ایک urban background سے ہو یا industrial background سے ہو یا اقتصادی background سے ہو، اس میں میرا خیال ہے کہ یہ تمیز یا تشخیص جو ہے وہ نہیں ہونی چاہیئے اور نہ ہی اس میں کسی قسم کی کوئی بحث کی گنجائش ہے۔ دونوں background سے تعلق رکھنے والے، حضرات جو ہیں ان میں اچھے بھی ہیں اور برے بھی ہیں اس پوری سوسائٹی میں، اس پورے معاشرے میں اچھے اور برے کی کمی نہیں ہے۔ ہر سوسائٹی میں اچھے بھی ہوتے ہیں اور برے بھی ہوتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ ملک کا درد رکھنے والے قوم کا درد رکھنے والے، غریبوں کا درد رکھنے والے جو ہیں وہ ہمارے feudal society کے لوگ بھی ہو سکتے ہیں اور urban society کے لوگ بھی ہوسکتے ہیں۔ تو اس میں یہ کوئی نہیں کہ صرف ایک خاص طبقے سے تعلق رکھنے والا انسان جو ہے وہی ایک مخصوص قسم کی سوچ رکھ سکتا ہے۔ میں صرف یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ یہ جو اقتصادی پروگرام ہم نے شروع کیا ہے اس کی تعریف صرف پاکستان کا پریس یا پاکستان کے جو اس شعبے سے تعلق رکھنے والے لوگ ہیں وہ ہی نہیں کرتے بلکہ پوری دنیا میں اس کی تعریف ہو رہی ہے اور جو ہمارا فارن پریس ہے، ہماری ریفارمز کے بارے میں اس نے بہت کچھ لکھا ہے۔ اور خود ہمارا ہمسایہ ملک جو ہے وہ پاکستان کی جو ریفارمز ہیں ان کو copy کرنے کے بارے میں اس نے بہت سارے اقدامات کئے ہیں اور copy کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ یقیناً میں سمجھتا ہوں کہ اس بات سے اور بھی اس کی تصدیق ہو جاتی ہے کہ ابھی حال ہی میں ورلڈ بنک کے منیجنگ ڈائریکٹر پاکستان کے دورے پر تھے،انہوں نے خود ٹیلی ویژن پر پاکستان کے اس پروگرام کو سراہا، اور پھر جب وہ مجھے ملے تو انہوں نے بہت تعریف کی۔ اس طرح سے جو IMFاور دیگر donor agencies کے جو چیئرمین ہیں، صدر ہیں انہوں نے بہت تعریف کی اور یہ پہلا موقع ہے کہ پاکستان

کی economy کو ہم نے open up کیا ہے، اس میں جو گھٹن سی تھی جو بند بند سا ماحول تھا اس کو ختم کیا ہے اور آج پاکستان کے اندر جو انوسٹمنٹ ہو رہی ہے خدا کے فضل سے ماضی میں کبھی اس سے پہلے اتنی تیزی کے ساتھ نہیں ہوئی۔

حال کی بات کر رہا ہوں، پچھلے بیس پچیس سال کا جائزہ میں نے لیا ہے، اتنی تیزی کے ساتھ پاکستان کے اندر industrial investment نہیں ہوئی۔ 6.5 فیصد سے بھی زیادہ اس وقت GDP growth rate ہے۔ جو کہ پاکستان کو دنیا کے اندر پانچواں ملک بنا دیتا ہے -High growth rates والے ممالک میں اس وقت چائنا سب سے اول نمبر پر ہے، اس کے بعد پھر تائیوان اور ساؤتھ کوریا اور ایک دو اور ملک ہیں اور پاکستان پانچواں ملک ہے - تو یہ adverse international جو حالات کے باوجود 6.5 فیصد growth rate حاصل کر لینا کوئی معمولی بات نہیں ہے - جہاں کہ ہمارے ہمسایہ ملک کی growth rate 2.4 percent اور پھر بہت سارے ویسٹرن ممالک کے جو growth rate رہی ہے وہ negative رہی ہے پچھلے سال جبکہ ہماری 6.5 فیصد تھی۔ تو اس سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ پاکستان کے اندر ترقی کی رفتار کیا ہے - تو اس وقت ملک کے اندر جو سب سے بڑا مسئلہ میرے نزدیک ہے وہ یہ ہے یہاں پر بے روزگاری ہے - بے روزگاری کو ختم کرنے کا آخر کیا طریقہ ہو سکتا ہے - بے روزگاری کو ختم کرنے کا یہی طریقہ ہے جو ہم نے اپنایا ہے - اگر ملک کے اندر سرمایہ کاری نہیں ہو گی تو ظاہر ہے کہ بیروزگاری بڑھے گی۔ اگر یہی رجحان آج سے بیس پچیس سال پہلے شروع کر دیا جاتا پاکستان کے اندر تو ہم بھی ایشین ٹائیگرز میں سے ایک ایشین ٹائیگر ہوتے ....

آج بھی اگر شروع کیا ہے تو میں سمجھتا ہوں لیٹ تو بہت ہو چکے ہیں لیکن خدا کے فضل سے جن ملکوں کے ساتھ ہمارا open neighbour-hood میں competition ہے وہ انشاء اللہ اگلے دو چار سال میں بہت آگے نکل جائیں گے اور نکل چکے ہوں گے اور ان کے لئے ہمیں پھر پکڑنا یا ہمارا مقابلہ کرنا غالباً بہت مشکل بات ہو گی - ابھی جو سرمایہ کاری کی latest figures ہیں، آپ کو وہ تو نہیں بتا سکتا لیکن خدا کے فضل سے بہت امید افزا ہیں اور جو اس وقت بے روزگاری جس سپیڈ کے ساتھ وہ کم ہو رہی ہے، میں سمجھتا ہوں وہ بھی بہت حوصلہ افزا ہے ہم سب کے لئے اور اسی طرح سے جو فلڈز کے باوجود جو پاکستان کی جی ڈی پی گروتھ ریٹ ہے جو اس وقت تک ہے چند مہینوں کی وہ خدا نخواستہ مایوس کن نہیں ہے بلکہ میں سمجھتا ہوں کہ میری امیدوں سے بھی بڑھ کر ہے اور فلڈز سے

جو کہ بہت زیادہ نقصان ہوا - یہ پہلا موقع ہے کہ کسی بھی حکومت نے اتنی بڑی رقم distribute کی ہو جو کہ پانچ بلین کے لگ بھگ ہے اور اتنے قلیل عرصے میں اور پھر دیانتداری کے ساتھ سب اس کا جائز compensation جو ہے معاوضہ جو ہے اس کا مل جانا یہ کوئی چھوٹی بات نہیں ہے - میں سمجھتا ہوں کہ یہ بہت بڑا چیلنج تھا اور بہت بڑی achievement ہے اس حکومت کی جو کہ خدا کے فضل سے بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ حاصل کی گئی ہے -

یہاں پر انڈسٹریل پالیسی کے حوالے سے بھی بات کی گئی کہ جہاں پر شوگر ملیں لگنی چاہیئیں وہاں پر ٹیکسٹائل ملیں لگ رہی ہیں - جہاں پر ٹیکسٹائل ملیں لگنی چاہئیں وہاں پر شوکر ملیں لگ رہی ہیں - میرا خیال ہے کہ اب ہماری جو open پالیسی ہے اس میں اب یہ کوئی قید نہیں ہے جس کے ذریعے سے ہم اپنا لوگوں کو لائسنس جاری کریں یا لوگوں کو permission دیں، لوگوں کو sanction دیں - جہاں جو کوئی چاہے سرمایہ کاری کرسکتا ہے اور جو بھی انڈسٹری یا پلانٹ لگانا چاہے وہاں پر لگا سکتا ہے - آپ جانتے ہیں کہ ماضی میں جب تک کہ حکومت کسی چیز کا لائسنس نہ دے یا کسی چیز کی permission نہ دے وہ کبھی پلانٹ معرض وجود میں نہیں آیا کرتا تھا- حال ہی میں مرسیڈیز بینز کے چیف ایگزیکٹو پاکستان میں آئے- انہوں نے مجھ سے آکر ملاقات کی اور انہوں نے مجھے کہا کہ آج سے غالباً پچیس تیس سال پہلے ہم یہ proposal لے کر آئے تھے گورنمنٹ آف پاکستان کے پاس کہ ہم یہاں پر مرسیڈیز بینز کا پلانٹ لگانا چاہتے ہیں، جس میں ہم بسیں بنانا چاہتے تھے اور گاڑیاں بنانا چاہتے تھے - لیکن ہندوستان کی حکومت نے تو اسے قبول کر لیا نہ جانے پاکستان میں کیا سوچ بچار ہوتی رہی کہ آج تک بھی ہمیں اس پلانٹ کی permission نہیں مل سکی - اگر اس وقت پلانٹ کی permission مل چکی ہوتی تو آج پاکستان میں یہ گاڑیاں بنانے کا، ٹرک بنانے کا، بسیں بنانے کا مسئلہ درپیش ہوتا ہی نہ بلکہ پاکستان ایک ایسا ملک بن جاتا جو کہ ان تمام بسوں ٹرکوں اور گاڑیوں کو باہر export کرنے کی پوزیشن میں ہوتا - تو وہ بڑے وثوق کے ساتھ یہ بات کہہ رہا تھا اور افسوس کر رہا تھا کہ پاکستان کی حکومت نے ہمیں اس وقت کوئی show response نہیں کیا تو ان چیزوں کو سن کر یقیناً دکھ ہوتا ہے اور اسی لئے میں نے کہا اگر آج سے بیس پچیس یا تیس سال پہلے یہ کام شروع ہو گیا ہوتا تو پاکستان شاید آج ایشیا میں جاپان کے بعد نمبر 2 ملک ہوتا جو اقتصادی ترقی میں سب سے آگے ہوتا - بدقسمتی

ہے ہماری کہ اتنے اتنے اہم فیصلے جو ہے وہ ہم ٹالتے رہے لیکن اب جو اس وقت پالیسی ہے جناب چیئرمین! وہ یہ ہے کہ ہم نے جو پرائیویٹائزیشن کا سلسلہ شروع کیا ہے نہ صرف کہ یہ انڈسٹری پرائیویٹائز ہوئی ہیں نہ صرف اس سے آمدنی حکومت کو ہوئی ہے نہ صرف ان کے losses حکومت برداشت کیا کرتی تھی اور اپنے خزانے سے ان losses کو پورا کیا کرتی تھی۔ وہ خزانہ جو کہ مانگا تانگا کا خزانہ ہے جو کہ بڑی خون پسینہ کی کمائی ہے عام لوگوں کی جہاں جو ٹیکس کی شکل میں خزانے میں پیسہ آتا ہے اس میں سے بہت بڑا حصہ ایسا ہے جو کہ باہر کے ملکوں سے loans کی شکل میں حاصل کیا جاتا ہے، وہ خزانہ ان انڈسٹریز کے نقصانات کو پورا کرنے پر خرچ کیا جاتا تھا۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس سے بڑی بدقسمتی پاکستان کی اور کیا ہو سکتی ہے کہ اتنا خزانہ جو ہمارا جو کہ خود جس کی بنیاد ہی loans کے اوپر ہو debts کے اوپر ہو وہ ہم خرچ کر دیں ان انڈسٹریز کو چلانے کے لئے، ان کے losses کو پورا کرنے کے لئے، تو نہ صرف ان losses سے ہم بچ گئے نہ صرف یہ کہ وہ loss making units profit making units بن گئے ہیں نہ صرف کہ ان کی ساری inefficiency overhead سے ہم بچ گئے ہیں اور پھر جہاں روز تالا بندی ہوا کرتی تھی - کوئی نہ کوئی مسئلہ کھڑا ہوتا تھا۔ سرکاری شعبے میں کام کرنے والے لوگوں کی اپنی اجارہ داریاں ہوتی تھیں۔ وہ اپنے interest کو پروموٹ کرتے تھے - نہ صرف اس سے بچ گئے بلکہ ایک بہت بڑی بیوروکریسی وہ بھی ساتھ ساتھ پرائیویٹائز ہوگئی ہے اور پرائیویٹ سیکٹر میں جا چکی ہے - ہزاروں لوگ ایسے ہیں جو کہ گورنمنٹ کے pay roll پر تھے لیکن آج وہ پرائیویٹ سیکٹر کے pay roll پر چلے گئے ہیں اور یقیناً وہ اب پہلے سے بہتر salaries لے رہے ہیں - اب جیسا کہ مسلم کمرشل بنک کی آپ مثال لیں - کوئی retrenchment وہاں پر نہیں ہوئی - لیکن ان کے جو چیف ایگزیکٹو ہیں، آج غالباً لاکھوں روپے مہینے کی تنخواہ لیتے ہیں - اور پھر اس وقت ان کی ڈیمانڈ پرائیویٹ سیکٹر میں اتنی بڑھ چکی ہے کہ competition ہو چکا ہوا ہے - ہم نے ساتھ ہی ساتھ دس پرائیویٹ بنکوں کو اجازت دے دی کہ پرائیویٹ بنک establish کئے جائیں اور اب سرکاری شعبے کے اندر بے شمار لوگ resign کر کے پرائیویٹ بنکوں کی طرف ان کا رجحان ہو چکا ہے - چونکہ ان کو وہاں پر salaries زیادہ ملتی ہیں، ان کو وہاں پر کام کرنے کی سہولت زیادہ ملتی ہے اور ان کو decisions لینے کی سہولت ملتی ہے اور ان کے پاس اپنی جو professional skills ہیں ان کو improve کرنے کا موقع ملتا ہے - اور ساتھ ہی ساتھ ہم بھی اگر ماضی کی حکومتوں کی طرح سوچتے تو ہم سمجھتے کہ نہیں ہم یہ بنک اپنے کنٹرول میں رکھیں گے تاکہ ہم ان کو حکم

دیا کریں کہ آپ نے ہمارے سیاسی پارٹی سے تعلق رکھنے والے آدمی کی مدد کرنی ہے، چاہے اس کی اہلیت یا صلاحیت ہو یا نہ ہو دس روپے بھی loan لینے کی صلاحیت یا اہلیت ہو یا نہ ہو لیکن اس کو کروڑوں روپے دینے ضرور ہیں تاکہ ہم اپنی سیاست کو مضبوط کرنے کے قابل ہو جائیں تو اسی طرح سے بنک پاکستان میں operate کرتے رہے اور لاکھوں کروڑوں اربوں روپے کی bad debts ہو چکے ہیں - صرف اس لئے کہ نااہل پارٹیوں کی حکومت کے ڈائریکٹو کے تحت قرضے دیئے گئے اور پھر وہ بنک جو ہیں آج وہ پیسہ recover کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہیں - ہم نے اس قسم کی patronage جو ہے اس سے ہم نے سوچا کہ اس ملک کی اس قوم کی اس سے جان نہ چھڑائیں تو یہ کوئی پاکستان کی یا قوم کی خدمت نہیں ہو گی - ہم نے اس ماضی کی روایات کو خیرباد کہا - آج ہم نے اس لئے پرائیویٹ سیکٹر کے اندر بنک بھی establish کئے ہیں - اسی لئے ہم پبلک سیکٹر کے جو بنک ہیں جو گورنمنٹ بنک ہیں ان کو پرائیویٹ کر رہے ہیں اور باقی بھی انشاء اللہ کریں گے تاکہ یہ اپنے میرٹ کے مطابق کام کریں اور صرف گورنمنٹ کے حکم پر کام نہ کیا کریں -

اسی طرح سے جو ابھی اس سے انکم ہو رہی ہے - پرائیویٹائزیشن سے جو انکم ہو گی، وہ ہم اپنے سوشل ایکشن پروگرام کے اوپر پیسہ خرچ کریں گے- پاکستان کا ایجوکیشن کے اندر کیا حال ہے- جناب چیئرمین! آپ دیکھیں کہ پاکستان جو ہے اگر ان سوشل سیکٹر میں آپ دیکھیں تو بدترین ملکوں میں پاکستان شمار ہوتا ہے - چاہے وہ آپ ایجوکیشن کے میدان میں لے لیں - ساوتھ کوریا پاکستان کے بعد آزاد ہوا- ساؤتھ کوریا نے پاکستان کے بعد ہمارا five years plan ہم سے borrow کیا- اپنے ایکسپرٹ بھیجے- یہاں پر انہوں نے سٹڈی کیا- اس پر اس نے بڑا successfully عملدرآمد کیا اور ساؤتھ کوریا جو ہے وہ جناب والا! ایجوکیشن میں دیکھیں- انڈسٹری میں دیکھیں، ایکسپورٹ میں دیکھیں، میرے خیال سے مشکل سے ہی اپنا کوئی ثانی رکھتا ہے پورے ایشیا کے اندر جاپان کے بعد- دوسری طرف پاکستان جو ہے وہ ایجوکیشن میں ہمارا literacy rate جو ہے وہ 30 فیصد سے کچھ زیادہ نہیں ہے- سٹینڈرڈ آف ایجوکیشن دن بدن زمین کی طرف آ رہا ہے- لوگ آسمان کی بلندیوں کو چھو رہے ہیں- لیکن ہم زمین پر گرتے جا رہے ہیں ہمارے campus کے اوپر جو ہے سوائے سیاست کے اور کچھ نہیں ہوتا اور سوائے کلاشن کوف- اگر آپ نے کلاشنکوف کلچر دیکھنا ہے تو وہاں پر آپ جاکر ملاحظہ کریں- تو یہ ہمارا معیار ہے ایجوکیشن کا-

صحت کے اندر ہم ابھی تک اپنے عوام کو بنیادی سہولتیں نہیں پہنچا سکے۔ علاج معالجہ کی سہولتیں پینے کا پانی ہمارے دیہاتوں میں اور شہروں میں لوگوں کو میسر نہیں ہے۔ اگر صاف پینے کا پانی نہیں تو بیماریاں نہیں لگیں گی تو کیا ہو گا۔

اس کے بعد آپ دیکھئے کہ پاکستان کے اندر ہم نے آج تک achieve کیا کیا ہے۔ اور جو کچھ کیا بھی تھا اس کو ہم نے آہستہ آہستہ ضائع کر دیا ہے تو ہر لعنت پاکستان کے اندر جو اس وقت موجود ہے gun running یہاں پر ہوتی ہے۔ نارکوٹکس سمگلنگ پاکستان میں ہوتی ہے۔ کل میں بلوچستان میں تھا۔ مجھے وہاں پر لوگوں نے بتایا کہ جس طرح سے یہاں پر گن رننگ اور نارکوٹیکس کا کاروبار جو چل رہا ہے وہ یقیناً ایک alarming proportion کی صورت اختیار کر چکا ہے۔ اور جب تک کسی انقلابی طریقہ سے ان لعنتوں کا مقابلہ نہ کیا جائے اپنے معاشرہ کو پاک کرنے کے لئے تب تک میں سمجھتا ہوں کہ کوئی بھی حکومت جو ہے اپنا حق ادا نہیں کر پائے گی۔

فرقہ واریت دیکھئے۔ اس وقت پاکستان میں فرقہ واریت کی لعنت بھی موجود ہے۔ ملاوٹ دیکھیں تو ماسوائے ان چیزوں کے اور کوئی اچھی چیز آپ کو نظر آتی نہیں ہے۔ ان چیزوں کو آخر کسی نہ کسی دن تو ختم کرنا ہے اور کسی نہ کسی نے تو ختم کرنا ہی ہے۔ تو میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ ان سب چیزوں کے لئے یہ یقیناً ایک اچھا فورم ہے۔ یہ اس لئے ہے کہ ایسے قوانین بنائے اچھے اقدامات اٹھانے کے لئے پروگرام بنائے اور پھر ہم سب مل کر چاہے ہم حکومتی بنچوں پر ہوں یا اپوزیشن کے بنچوں پر بیٹھے ہیں سب مل کر اس کو مشن سمجھ کر۔ اس کو چیلنج سمجھ کر ان خرابیوں کو جڑ سے اکھاڑنے کے لئے اپنے معاشرے سے ختم کرنے کے لئے مل کر کام کریں اور میں سمجھتا ہوں کہ اگر یہ جذبہ پیدا کر لیں تو انشاء اللہ کوئی وجہ نہیں ہے کہ یہ خرابیاں ہم معاشرے سے دور نہ کر دیں۔

ابھی ییلو کیب کی بات ہوئی۔ ییلو کیب جو ہے وہ پاکستان کے اندر جو حکومت کی ٹرانسپورٹ پالیسی ہے وہ اس لئے ہے کہ عوام کو ایک بہتر سہولت جو ہے وہ میسر آئے۔ باعزت پبلک ٹرانسپورٹ جو ہے وہ یہاں پاکستان میں ملنی چاہیئے لوگوں کو اس لئے یہ سب سے بڑا مسئلہ تھا۔ اس مسئلے کو حل کرنے کے لئے حکومت پاکستان نے پالیسی بنائی جس کے تحت اربوں روپے ہم نے غریب آدمیوں کے قرضہ کے لئے رکھے ہیں۔ پہلے تو یہ تھا کہ امیر آدمی یا بڑے بڑے صنعت کار تھے وہی بڑے بڑے قرضے لے لیا کرتے تھے۔ اور اربوں اور کھربوں روپے انہی کی نظر ہو جاتے تھے۔ یہ پہلا موقع ہے کہ ایک غریب آدمی کے لئے بھی

حکومت نے قرضوں کا سلسلہ شروع کیا ہے جس سے روزگار بڑھا ہے اور پبلک ٹرانسپورٹ بھی بہتر ہوئی ہے۔ اس میں، میں صرف یہ عرض کردوں کہ یہ جو ہر طرف سے زیادہ سے زیادہ گاڑیاں جو ہیں ہم نے اس لئے اس چیز کو encourage کیا ہے کہ سوزوکی موٹر کمپنی جو پاکستان کی ہے اس کی جو پیداواری صلاحیت ہے وہ بڑی محدود ہے۔ اور اس کی پیداوار جو ہے وہ اگلے دو سالوں تک کے لئے بک ہو چکی ہے۔ اگر آج کوئی ییلو کیب لینا چاہے تو دو سال تک اس کی باری نہیں آئے گی۔ اسی طرح سے پاکستان میں بدقسمتی سے چونکہ پلانٹ پہلے لگ نہیں سکا جو کہ ان چیزوں کو مینوفیکچر کرے۔ جیسا کہ ابھی مرسیڈیز بینز کی میں نے مثال دی ہے۔ تو ہم نے یہ کہا کہ بجائے ہم چند دو چار کی اجارہ داری پیدا کر دیں پاکستان میں ہم ان کو کہیں کہ یہ پالیسی پیکج ہے اور اس کے مطابق اس کو اپنائے گا۔ اس قسم کی گاڑیاں جو ہیں 2000 سی سی کی وہ کہیں سے بھی منگوا سکتا ہے۔ لیکن اس specification کی گاڑیاں ہونی چاہیئیں۔ وہ ہم نے پالیسی بنائی اور اب ہر اطراف سے یہ گاڑیاں جو ہیں آنی شروع ہو گئی ہیں اور سوزوکی کی اپنی پیداوار جو ہے وہ دو سال کے لئے بک ہو گئی ہے۔ جو کہ پاکستان میں مینوفیکچر کرتی ہے۔ جو بسیں پاکستان میں بنتی ہیں ہینو پاک وہ کئی اگلے دس بارہ مہینوں سے بھی تجاوز کر چکی ہیں۔ اس کی پیداوار بک ہو چکی ہے۔ پاکستان کے اندر اور بھی جو گاڑیاں اسمبلی کرتے ہیں یا جو بناتے ہیں، ان کی اپنی پروڈکشن جو ہے وہ بک ہو چکی ہے۔ کئی اگلے مہینوں تک تو اس لئے ہم نے باہر سے بھی انتظام کیا ہے تاکہ ان لوگوں کو سہولت مل سکے۔ وہ جلدی سے اپنی گاڑیاں حاصل کر سکیں اور پاکستان میں جو پروگرام ہے پبلک ٹرانسپورٹ کو ٹھیک کرنے کا وہ بہت جلدی درست ہو سکے اور اپنے پایہ تکمیل تک پہنچے۔ ابھی اس وقت ہزارہا بسیں جو ہیں وہ باہر سے بھی آ رہی ہیں۔ پاکستان کی تو پروڈکشن بک ہو چکی ہے۔ آپ دیکھیں گے انشاء اللہ اگلے تین سے چھ مہینوں میں پاکستان کی پبلک ٹرانسپورٹ ہے اس میں انقلاب آ چکا ہو گا۔ نہ صرف ییلو کیب بلکہ بسیں ٹرک اور سوزوکی کیرئیر اور پھر جو اپنا ہے یہ جو پہاڑی علاقوں میں بہت پاپولر ہے تو اسی طرح سے جو چھوٹے سائز کی سٹیشن ویگنیں ہیں یہ بڑی تعداد میں باہر سے آ رہی ہیں۔ پاکستان میں بھی بن رہی ہیں۔ مجھے ترکی کے ایک وزیر ملے۔ انہوں نے مجھے کہا کہ آج سے چند سال پہلے ترکی کی جو ہر سال وہیکل میں اضافہ ہوتا تھا وہ غالباً 50 ہزار کے لگ بھگ تھا یا کتنا تھا۔ لیکن اب وہ کہنے لگے کہ یہ چند سالوں میں تین لاکھ ایڈیشنل وہیکل جو ہیں ہر سال یہاں آتی ہیں۔ آپ اس سے اندازہ کریں کہ ان کی activities میں کتنا فرق آ چکا ہے۔ کتنی تیزی کے ساتھ ان کی economy جو ہے وہ بڑھ رہی ہے۔ اسی طرح سے پاکستان جو ہے وہ مجھے خوشی ہے کہ اللہ کے فضل سے اسی لائن پر چلے گا۔ کچھ عرصہ کے بعد انشاء اللہ اس قسم کی اچھی خبریں جو ہیں جو ایک پاکستانی کے لئے خوشی کا باعث ہوں گی انشاء اللہ وہ آپ کے سامنے پیش کر سکیں گے۔ ہم چاہتے

ہیں کہ ہم جلدی سے ان نتائج کو حاصل کریں۔

ابھی جو ہمارا اس وقت پاکستان میں موٹر وے کا پروگرام ہے جو کہ پشاور کو بلکہ پشاور سے بھی پیچھے طورخم کو ایک طرف کراچی اور دوسری طرف گوادر سے ملانے کا پروگرام ہے انشاء اللہ اس پر بڑی تیزی سے کام ہو رہا ہے۔ اور گوادر پورٹ جو ہے خدا کے فضل سے بہت جلد وہاں پر اس کا فاؤنڈیشن رکھا جا رہا ہے بلکہ گوادر کا ایک حصہ تعمیر ہو بھی چکا ہے اور اس کی تقریب نقاب کشائی انشاء اللہ بہت جلد ہونے والی ہے۔ تو یہ میں سمجھتا ہوں کہ پاکستان کے اندر انفراسٹرکچر جو ہمارا ہے اس کو بڑی تیزی کے ساتھ بنانے کی ہم کوشش کر رہے ہیں۔ یہ سب کام جو ہیں پاکستان کے اندر خوشحالی لیکر آئیں گے اور بڑی تیزی کے ساتھ خوشحالی انشاء اللہ آئے گی۔ میں مطمئن ہوں جو پاکستان کے اندر اس وقت ہماری انڈسٹری جو ہے وہ لگ رہی ہے۔

اللہ کے فضل سے مجھے امید ہے کہ ہمارے ان تمام اقدامات سے ضرور انشاء اللہ زراعت کو بھی پورا فائدہ پہنچے گا۔ اور یہ جو ییلو کیب ہم نے سکیم شروع کی ہے انہی بنیادوں پر ہم ییلو ٹریکٹر سکیم شروع کر رہے ہیں۔ ضروری نہیں کہ اس کا رنگ پیلا ہی ہو گا۔ لیکن وہ ان ہی لائن پر کاشتکار کے لئے جو ہے ٹریکٹر سکیم کا اجراء ہونے والا ہے (ڈیسک بجائے گئے) جو کہ یقیناً ایک سبز انقلاب لے کر آئے گا تو پھر ٹریکٹر آپ جانتے ہیں کہ ہمارے کاشتکاروں کو اگرسستے داموں اور پھر آسانی کے ساتھ دستیاب ہو جائیں تو ہماری زراعت کہاں سے کہاں چلی جائیگی۔ یہ جو سندھ کے اندر میں ذکر کر رہا ہوں یہاں پر نہ صرف یہ کہ 16 ایکڑ زمین دی جا رہی ہے بلکہ اس کے ساتھ ہی ساتھ ہم ان تمام ہاریوں کے لئے ہر چار ہاری جو الاٹیز ہیں ان کو اکٹھا کر کے جب ان کی زمین 64 ایکڑ بن جاتی ہے تو اس کے لئے غالباً 50 ایکڑ سے لے کر 60 ایکڑ اوسطاً جو ایک ٹیوب ویل کی ضرورت پڑتی ہے۔ ان کو ہم چار کو اکٹھا کر کے ایک ٹیوب ویل بھی دے رہے ہیں تاکہ پانی ہو گا تو کاشتکاری کرسکیں گے۔ پانی ان کی بنیادی ضرورت ہے۔ انہوں نے مجھے کہا کہ ہمیں ٹریکٹر آپ بے شک بعد میں دیں۔ ہمیں آپ کھاد اور بیج بعد میں دیں لیکن پانی کا مسئلہ ہمارا ترجیحی بنیادوں پر حل کریں۔ وہاں پانی بڑا میٹھا ہے اور ہم نے یہ پروگرام بنایا ہے کہ تیس ہزار ہاری جن کو یہ زمینیں ملیں گی، جو کہ لاکھوں ایکڑ زمین بنتی ہے، تو ان کو جو تیس ہزار ہیں یہ زمین

دیکھے اس میں کئی ہزار ہاری خاندان بنتے ہیں اور ہر چار خاندانوں پر مشتمل ہاریوں کو یعنی چار الاٹیز کو ایک ٹیوب ویل دیا جا رہا ہے۔ حکومت اس کو قرضے پر ٹیوب ویل لگا دے گی اور پیسہ بعد میں ان سے recover کرے گی۔ تو یہ سب کام، میں سمجھتا ہوں، کہ یہ بڑے کام نہیں ہیں۔ یہ اچھے کام ہیں اور اس سے ملک جو ہے وہ مجموعی طور پر بہت خوشحال ہو گا۔ ہماری agriculture بھی خوشحال ہو گی اور اسی طرح سے روزگار بھی لوگوں کو ملے گا، لوگوں کو زندگی کی بنیادی سہولتیں بھی انشاء اللہ مل سکیں گی۔

یہاں پر میں سمجھتا تھا کہ چند اور باتیں بتانی ضروری ہیں، تاکہ سب کو پتہ ہو کہ ہم کس طرف جا رہے ہیں، ہماری کیا پالیسیاں ہیں، بعض اوقات کچھ لوگوں کو اس کا علم نہیں ہوتا اور پھر وہ علم نہ ہونے کی وجہ سے ایسی بات کرتے ہیں جو کہ شاید ہو رہی ہوتی ہے لیکن ان کو علم نہ ہونے کی وجہ سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ شاید نہیں ہو رہی۔

تو جہاں تک تعلق ہے اپنے سیاسی نظام کی اصطلاح کا ہم اس میں یقیناً consensus develop کرنا چاہتے ہیں اور جس چیز میں consensus قوم کا ہو گا، میں سمجھتا ہوں کہ ہمارے لئے سب سے بہتر وہی بات ہو گی اور اس میں پاکستان کے اندر ایک parliamentary democracy ہے۔ اور یہاں پر پھر parliamentary democracy نے اگر چلنا ہے تو اس کو پھر حقیقی معنوں میں parliamentary democracy کے طور پر چلنا چاہیئے۔ اس میں نہ صرف کہ پارلیمنٹ کی حد تک consensus ہونا چاہیئے۔ بلکہ پوری قوم میں consensus ہونا چاہیئے اور میں اس consensus کو دیکھ بھی رہا ہوں اور محسوس بھی کر رہا ہوں۔ مجھے وہ تاثر سارے اخبارات کے ذریعے سے بھی ملتے ہیں اور جتنی بھی political forces ہیں پاکستان میں ان کے جو بیانات ہیں ان کے ذریعے سے بھی ملتے ہیں اور مجھے خوشی ہے کہ نیشنل اسمبلی کے ممبران اور سینٹ کے جو معزز اراکین ہیں ان کی سوچ میں مجھے بڑی ہم آہنگی نظر آتی ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ انشاء اللہ وقت آ چکا ہے کہ جمہوریت یقیناً اپنے پاؤں پر کھڑی ہو سکتی ہے اور قائم بھی رہ سکتی ہے بشرطیکہ ہم نیک نیتی کے ساتھ اور بلند ہمتی کے ساتھ اور جذبہ حب الوطنی کے ساتھ آگے بڑھنے کا فیصلہ کریں۔ آپ کا شکریہ جناب چیئرمین!

Syed Abdullah Shah: Point of order, Sir.

Mr. Chairman: Abdullah Shah Sahib on a point of order.

Syed Abdullah Shah: Sir, I did not want to interrupt the honourable Prime Minister when he was making his speech.

جناب چیئرمین: جی صحیح کیا آپ نے because the Prime Minister is not interrupted.

Syed Abdullah Shah: Sir, it is a good thing that at least in this session the Prime Minsiter has graced this House twice. It is a good change and when an honourable Member said that as a young man he has got time to play cricket, I would request him that he should find more time for both the Houses also. He made a very elaborate statement to which on several points we don't agree. I would like to know, Sir, under what rule you permitted the honourable Prime Minister to make such a lengthy statement and whether .....?

Mr. Chairman: There are two rules, I will explain to you: One, he has a right to speak in this House,
جس طرح آپ لوگ بول رہے ہیں، سارے بول رہے ہیں، ان کو بھی حق ہے
کہ کوئی مسئلہ زیر بحث ہو اس پر بولیں، کوئی روک نہیں سکتا- نمبر دو منسٹر اور
پرائم منسٹر کسی وقت بھی سٹیٹمنٹ ایشو کر سکتے ہیں لیکن here he was participating in the debate and he has a right to do so.

Syed Abdullah Shah: Sir, I have seen the rules. We are discussing the Presidential Address.

جناب چیئرمین: ہاں تو کیا پریذیڈینشل ایڈریس پر وہ نہیں بول سکتے؟

Syed Abdullah Shah: He can speak, but then was he winding up the debate.

Mr. Chairman: No. No., he was just participating in the debate.
آپ کا مطلب یہ ہے کہ کوئی وزیر جو ہے وہ participate نہیں کر سکتا۔

Syed Abdullah Shah: No, Sir, his name was not there.

Mr. Chairman: It doesn't matter, I can allow that name to be added.

Syed Abdullah Shah: Sir, this was a totally different policy statement, he was not discussing the President's Address.

Mr. Chairman: Does not matter, Shah Sahib?
یہ parliamentary democracy میں پرائم منسٹر کا آنا اور ان کا بیان دینا بڑی اچھی بات ہے۔

Syed Abdullah Shah: Then, Sir, my second submission is that are we going to get time to discuss the

Prime Minister's today's speech?

جناب چیئرمین : آپ کریں نا، بحث ہو رہی ہے نا، وہ بھی بحث میں حصہ لے رہے ہیں یعنی آپ نے مثلاً آپ کے ساتھیوں نے سب نے ....

Syed Abdullah Shah: Are you going to give us a second chance?

Mr. Chairman: No. No. No second chance,
یہ نہیں ہوتا کہ کوئی بات کرے تو،
then I give a chance again to people here,
یعنی یہ ڈبیٹ ہو رہی ہے، ڈبیٹ میں آپ نے اپنی باتیں کیں، انہوں نے اپنی کہیں، یہ موضوع زیر بحث آئے، آپ کریں بحث۔

Syed Abdullah Shah: Sir, when we rise to speak, we rise at certain rules and......

Mr. Chairman: I am giving you two rules: (1) The Prime Minister has a right to participate in the debate which is now going on, which is a debate on the President's Address.

Syed Abdullah Shah: He was totally irrelevant because he was not talking about the President's Address.

Mr. Chairman: I think he was relevant. Mandokhel Sahib on a point of order.

جناب عبدالرحیم خان مندوخیل: سیکرٹری تھے یا جو بھی تھا انہوں نے جس طرح بیان کیا اس میں اختلاف بھی ہو سکتا ہے لیکن جو بھی اور باتیں ہیں.......

جناب چیئرمین: وہ ٹھیک ہے جی۔

جناب عبدالرحیم خان مندوخیل: میں particularly وزیراعظم صاحب چلے گئے ہیں ورنہ میں ان کی توجہ دلانا چاہتا ہوں باقی ترقیاتی پروگراموں کے بارے میں کہ ہمارے کوئٹہ، ہمارے صوبے کے جناب پانی کا مسئلہ۔ ایسے ہی بات آ گئی ہے یہاں اس آنے پر ہاؤس کے تھرو کہ وزیراعظم صاحب ہمارے پانی کے لئے جیسے کہ انہوں نے فرمایا کہ وہاں ہاریوں کے لئے ٹیوب ویل کا بنایا۔ ہمارے لئے پانی کے لئے reservior یعنی check dams بنانے کا ایک پراجیکٹ بنایا جائے۔

جناب چیئرمین: اچھا۔

جناب عبدالرحیم خان مندوخیل: تو ملک کی ترقی کے لئے.........

جناب چیئرمین: بہرحال وزراء بیٹھے ہیں، اس میں وہ اعجاز الحق صاحب بھی بیٹھے ہیں، آپ کے اپنے بلوچستان کے وہ ضرور سن رہے ہیں آپ کی بات۔

جناب عبدالرحیم خان مندوخیل: میری عرض یہ ہے......

جناب چیئرمین: جی جی۔

جناب عبدالرحیم خان مندوخیل: کہ اس موقع پر جب جناب وزیراعظم صاحب نے مختلف مسئلوں پر اپنا پروگرام دیا تو ہم یہ ان کے گوش گزار کریں گے کہ وہ اس پر خصوصی طور پر توجہ دیں۔

جناب چیئرمین: اچھا، جام صاحب بیٹھے ہیں وہ نوٹ کر رہے ہیں۔

جناب عبدالرحیم خان مندوخیل: ایک دوسری بات جناب والا! موٹر

دے پر بھی اختلاف ہے یا نہیں۔

جناب چیئرمین: ٹھیک ہے۔

جناب عبدالرحیم خان مندوخیل: وہ اپنی جگہ لیکن جب بنایا جا رہا ہے تو ہماری یہ عرض ہے۔

جناب چیئرمین: ادھر بھی موڑ دیں۔

جناب عبدالرحیم خان مندوخیل: نہیں ہم یہ کہتے ہیں کہ پشاور، کوئٹہ، خضدار یہ جو اس طرح اس کو لے جایا جا رہا ہے کہ آپ وہاں تو رتو ڈیرو اور پھر.....

(مداخلت)

جناب عبدالرحیم خان مندوخیل: نہیں نہیں، میرا یہ مطلب نہیں ہے جناب والا! میں توجہ دلا رہا ہوں کہ انہوں نے جو پروگرام دیا کہ یہ ہاریوں کا، یہ صنعت کا، یہ زراعت کا تو میں یہ عرض کر رہا ہوں۔ کہ یہ اہم بات ہے، ہماری infrastructure یہ ہے، بنیادی چیز۔

جناب چیئرمین: مہربانی، جی مہربانی، اچھا جناب۔

حافظ حسین احمد: چیئرمین صاحب یہ منسٹر صاحبان کہاں چلے گئے ہیں؟

جناب چیئرمین: منسٹر صاحبان بیٹھے ہیں۔

حافظ حسین احمد: کہاں بیٹھے ہیں جی بیٹھنے کی تو جگہ ہی نہیں ہے؟

جناب چیئرمین: یہ دیکھئے تین منسٹر اور ایک لیڈر آف دی ہاؤس بیٹھے ہیں، اور مندوخیل صاحب میرے خیال میں آپ وزیر تو نہیں ہو گئے ہیں آج۔

(مداخلت)

جناب چیئرمین: بیٹھیں، بیٹھیں شاید ہو جائیں، بیٹھیں، یہ اس کرسی پر بیٹھیں، شاید ہو جائیں، جی جناب عبدالرحمٰن جمالی صاحب، جی جناب ابراہیم صاحب، آپ کا کہنا..........

جناب محمد ابراہیم خان: جی جناب بات ہو رہی تھی یہاں ییلو کیب ٹرانسپورٹ کی۔ سب باتیں ہو رہی تھیں لیکن میں ایک بات عرض کرنا چاہتا ہوں کہ یہاں اسلام آباد تک پہنچنے میں جو وقت ہوتی ہے اس 200 میل پر وہ خرچہ بس سے نہیں ہوتا جو اسلام آباد تک چھاؤنی سے آتے ہوئے (ہوتا ہے یعنی) جتنا ٹیکسی کا خرچہ ہوتا ہے۔ باہر کے ملکوں میں بھی تو ٹرانسپورٹ کی سہولتیں ہیں، کوئی سرکلر ٹرین، ایسی گاڑیاں سہولت بھی جن میں موجود ہو جس سے لوگ آ سکیں، ایسی کوئی پرووژن نہیں ہے، ذرا اس کی طرف بھی خیال کریں۔

Mr. Chairman: Iqbal haider Sahib on a point of order.

Syed Iqbal Haider: Sir, after the speech of the Prime Minister the debate on the Presidential Address has concluded and there cannot be any other speech. No doubt, Prime Minister has the right to speak.

جناب چیئرمین: بہرحال آپ نے پوائنٹ آف آرڈر اٹھایا ہے اور ......
I am telling you it has not concluded, it is continuing.

Syed Iqbal Haider: But the Prime Minister has concluded the debate.

جناب چیئرمین: بھئی آپ سن لیں ناں کہ جب چیئرمین رولنگ دے رہا ہے تو بیٹھ جایا کریں، آپ نے پوائنٹ آف آرڈر ریز کر لیا۔

(interruption)

جناب چیئرمین: دیکھیں ناں اقبال حیدر صاحب، once the Chairman rules, کہ نہیں conclude ہوا تو ختم ہو گئی ناں بات۔

(interruption)

Mr. Chairman: And let us develop the right tradition for democracy in the country.

(interruption)

Mr. Chairman: And I would also expect the honourable Members that when the Leader of the Opposition is speaking there should be no interruption. yes Abdur Rehman Jamali Sahib.

جناب عبدالرحمٰن جمالی: بسم اللہ الرحمان الرحیم۔ شکریہ جناب چیئرمین! آج کا موضوع پریذیڈنشل ایڈریس مورخہ 22 دسمبر دونوں ایوانوں سے ہے۔ جناب چیئرمین ! اس پر بہت کچھ کہا گیا ہے۔ بڑی اچھی تقاریر ہوئی ہیں اور میں سمجھتا ہوں کہ بڑی اچھی بات ہے کہ بیچ میں وزیراعظم صاحب آکر جو کہہ گئے ہیں اس سے کافی افہام و تفہیم والی فضا پیدا ہوئی ہے۔ اس سے پہلے جو دو معزز اراکین تھے وہ تو مجھے لگ رہا تھا کہ شکوہ جواب شکوہ والا سلسلہ چلا ہوا تھا، بہرحال دونوں صاحبان نے پریذیڈنشل ایڈریس پر اتنا نہیں بولا۔

جناب چیئرمین! سب سے پہلے جو آج کل گرما گرم بحث چل رہی ہے آٹھویں ترمیم

پر اور خاص کر ہمارے اخباری نمائندے بھائی جو ہیں وہ اس کو بڑا اچھال رہے ہیں پریذیڈنشل الیکشن کے ساتھ- میں نے پچھلے دنوں خود بھی صدر صاحب سے ملاقات کی تھی اور انہوں نے نہایت ہی اچھی بات کی- انہوں نے کہا کہ میں نے آج تک اپنا candidature announce نہیں کیا- اگر اخباری نمائندے سمجھتے ہیں ایسی بات تو یہ ان کی اپنی سوچ ہے- جہاں تک آٹھویں ترمیم جو ان سے ڈسکس ہوئی تو انہوں نے کہا کہ دیکھیں جی یہ اس وقت کی ایک requirement تھی جس میں ہم سب جو اکثریت میں سمجھتا ہوں جو اس ایوان میں بیٹھے ہیں ہم سب نے اس کو ووٹ دیا تھا اور جس میں جناب چیئرمین آپ بھی تھے-

جناب چیئرمین: جی کیا کہہ رہے تھے- I missed that

جناب عبدالرحمٰن جمالی: جی آٹھویں ترمیم کا میں عرض کر رہا تھا-

جناب چیئرمین: اس میں، میں بھی تھا؟

جناب عبدالرحمٰن جمالی: جی آپ- سب نے ووٹ دیا- یہ وہ باتیں ہوئیں جو آپ کے صدر مملکت سے ہوئیں تھیں- اب ہم یہ چاہتے ہیں کہ خواہ مخواہ کی پولیٹیکل خلفشار نہ ہو اس ملک میں کیونکہ جناب یہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ اللہ کی مہربانی سے خاص کر میں تیسرا وزیراعظم دیکھ رہا ہوں اس ملک کا: جناب جونیجو صاحب تھے، محترمہ بے نظیر تھیں اور ابھی میاں نواز شریف صاحب ہیں، یہ خواہ مخواہ کی جو باتیں بیچ میں پیدا ہو گئی ہیں یہ کوئی سیاسی طور پر اچھی باتیں نہیں ہیں- میں یہ گزارش کروں گا کہ اگر آپ نے آٹھویں ترمیم کے بارے میں بات کرنی ہے تو آپ ساری ترامیم کی بات کریں جو شروع سے ہوئیں- جناب بھٹو کے ٹائم میں ہوئی تھیں اور اس میں تو ایک آدھ amendment صرف اس لئے لائی گئی تھی کہ جناب ولی خان کو politically debar کیا جائے- اگر آپ غور و خوض کریں اس بات پر اگر ساری پارٹیاں مل کر بیٹھتی ہیں کہ جی ہم آپ میں بیٹھ کر عمل کرتے ہیں اس پر اور نیک نیتی سے، نیک دلی سے- اب یہ نہیں کہ جی ایک سیکٹر میں چلے جائیں دوسرے پولیٹکل سیکٹر میں چلے جائیں، ایسی بات نہیں- میں آج اپنے بھائیوں کو انوائٹ کرتا ہوں پی ڈی اے والوں کو کہ آئیں بیٹھ کر negotiate کرتے ہیں، بات کرتے ہیں، اس پر افہام و تفہیم والا ذریعہ پیدا کرتے ہیں- اب اگر اس زمانے میں آٹھویں ترمیم نہ ہوتی with due respect تو

اس وقت 72 مشیروں سے ہماری جان کہاں سے چھوٹتی جو previous گورنمنٹ میں تھے اور وہ کتنا heavy burden تھے اس exchequer پر- پاکستان کے exchequer پر کم سے کم ایک ایک لاکھ روپے خرچ ہوتے تھے ایک ایک مشیر کے اوپر اور کارکردگی ان کی ویسے nil تھی-

دوسری میں گزارش کروں گا ایگریکلچرل پالیسی پر بہت کچھ کہا گیا ہے- اور ابھی ایگریکلچرل ٹیکسیشن کی بات ہو رہی ہے- ہمارے چند حضرات جو ہیں کچھ حق میں ہیں اور کچھ خلاف ہیں اس کے- سر 80 فیصد Indirect taxation ہوتی ہے اس ملک میں جس سے ایک agriculturist تریسٹھ فیصد ادا کر رہے ہیں، اب آپ اس سے اندازہ لگائیں آپ کو اندازہ نہیں ہو گا سر کیونکہ آپ خود agriculturist نہیں ہیں-

جناب چیئرمین: بننے کا طریقہ بتا دیں تو میں بن جاتا ہوں جی-

جناب عبدالرحمٰن جمالی: وہ آپ اگر یہاں پر دو کنال لے کر دکھا دیں اسلام آباد میں تو آپ agriculturist بن جائیں گے- جو آپ کے لئے بھی ناممکن ہے اور ہمارے لئے بھی ناممکن ہے-

اخونزادہ بہرہ ور سعید: اور ہمارے لئے بھی-

جناب عبدالرحمٰن جمالی: بہرہ ور سعید صاحب تو ویسے ہی مہربان ہیں جی- میں سمجھتا ہوں کہ بہت کچھ کرنا ہے- اگر آپ نئے ٹیکسیشن ، اس کمیٹی سے کیونکہ میں خود بھی تعلق رکھتا ہوں، ممبر ہوں تو میں نے ان سے یہ گزارش کی تھی کہ اگر ایسی طریقے سے ٹیکسیشن کرتے جائیں گے، آپ کی رورل آبادی جو ہے وہ اٹھ کر آ جائے گی اربن ایریاز میں تو آپ کے لئے بہت بڑا پرابلم ہو جائے گا اور پھر اس طریقے سے آپ کو ڈیفنس کا بجٹ کاٹ کر یا وہ ہمارے لئے پھر food grains امپورٹ کریں گے اگر آپ صحیح پالیسی نہیں بنائیں گے- صرف ایگریکلچر کے لحاظ سے میں سمجھتا ہوں کہ ایک بہت بڑا قابل آدمی ہے آپ کے پاس ڈاکٹر ظفر الطاف جو پی اے آر سی کا چیئرمین ہے- He is a wizzard in agriculture آپ ذرا ان سے بیٹھ کر بات کریں تو وہ کہتا ہے کہ جتنا ہو سکتا ہے آپ extensive cultivation کریں- دوسرا ہمارے ایک معزز رکن جو ابھی نہیں ہیں- انہوں نے کہا تھا کہ جی کہ سندھ میں بہت

بڑے بڑے جاگیردار، زمیندار ہیں۔ ڈیڑھ ڈیڑھ لاکھ ایکڑ اور ان کے جناب وہاں پر چھ چھ ہزار ہاری ہیں، میں ان سے بالکل اختلاف کرتا ہوں۔ ہمارے مخدوم صاحب بھی بیٹھے ہیں، جام صاحب بیٹھے ہیں ایک وہ مثال بتا دیں۔ راجہ صاحب ایک زمیندار کا نام لے لیں جو سندھ میں کون سا اتنا بڑا جاگیردار ہے یا کس کے پاس ہے۔ یہ تو سارا پریس ہی اچھالتا ہے۔ وڈیرے، یہ بدمعاش ہیں لٹیرے ہیں، ہاریوں کے ساتھ زیادتیاں کرتے ہیں۔ وزیراعظم صاحب بڑا اچھا کام کر رہے ہیں۔ کچے کی زمین دے رہے ہیں اور ان کو inputs کے لئے بھی دے رہے ہیں۔ یہ واقعی گورنمنٹ کی ایک cmmendable چیز ہے۔ ہم اس کو سراہتے ہیں اگر دوسرے صوبوں میں بھی جو ایسی زمینیں پڑی ہیں، ہاریوں میں تقسیم کریں۔ وہ لوگ بھی جن کی سات پشتیں ہاری رہی ہیں، کبھی ساتویں پشت کو تو حقوق ملکیت ملے گی۔

دوسرا میں ایک گزارش کروں گا۔ یہ ہمارے پریس والے بھائی عجیب چیز ہیں۔ میں ان کا احترام کرتا ہوں۔ دو دن پہلے "فرنٹیئر پوسٹ" اور "خبریں" اخبار میں آپ سارے بلوچستان کی جو بھی پولیٹیکل فیملیز ہیں ان سب کے نام لئے گئے ہیں car lifting میں۔ سب سے پہلے جمالیز۔ اچھا جناب اس کے بعد بگٹیز۔ اچھا زہریز اور رئیسانیز اور اچکزئیز اور میں سمجھتا ہوں کہ صرف بزنجو وغیرہ رہ گئے ہیں، باقی تو کوئی بھی نہیں چھوڑا۔ اور ان میں آپ یہ دیکھیں کہ اگر میں کہتا ہوں کہ عبدالرحمٰن جمالی car lifter ہے خدانخواستہ تو آپ کا قانون ہے آپ مجھے پکڑیں۔ بطور سینیٹر بھی پکڑیں ٹھیک ہے۔ نام دیا ہے اسلم جمالی ولد میر جعفر خان جمالی اور میر جعفر خان جمالی کون ہے۔ سب کو پتہ ہے۔ وہ warrior تھا مسلم لیگ کا اور اسلم خان اس کا بیٹا نہیں ہے۔ میر جعفر خان کا بیٹا وہ ہے جو آج چیف منسٹر بلوچستان ہے۔ ذرا آپ ان لوگوں کو تنبیہ کریں۔ اچھا جناب رئیسانی کا بیان بھی اس کے خلاف آ گیا ہے۔ دوسرا آپ کے جوگیزئی کا آیا ہے۔ جو خود ڈی آئی جی ہیں جنہوں نے گاڑیاں ریکور کی ہیں اور ان کو بھی ملوث کیا ہے جناب چیئرمین! اس سے زیادہ ہتک آمیز رویہ نہیں ہو سکتا۔ یا تو ان کو پتہ ہے، میں جمالی بیٹھا ہوں، آ کر میرے ساتھ بات کریں کہ بھئی اس میں حقیقت ہے یا نہیں ہے۔ یہ جی اس طرح ہے۔ سندھ کا جی سب سے بڑا پرابلم economical problem ہے۔ جب تک آپ سندھ کو economically viable نہیں کریں گے۔ آپ کے پولیٹیکل حالات وہاں پر ٹھیک نہیں ہوں گے۔ آپ یقین کریں کہ پہلے جو پیسہ تھا وہ سندھ سے نکل گیا۔ حالانکہ 80 فیصد پیسہ وہیں پر ہوتا تھا۔ مگر وہ پھر اب trickle down کر کے لاہور اور اسلام آباد کی طرف آ گیا ہے۔ انڈسٹری وہاں کی

ٹھپ ہو گئی ہے- زمینیں وہاں کی غیر آباد ہوگئی ہیں- تو polotical stability آپ کو مل بھی نہیں سکتی- ابھی دیکھ لیتے ہیں انشاء اللہ آگے الیکشن آ رہا ہے، اس میں دیکھتے ہیں کہ کیا result نکلتا ہے-

دوسری میں یہ گزارش کروں گا کہ چند احباب نے کہا کہ جی provincial autonomy کا بڑا نعرہ لگایا ہے- میں ان بھائیوں سے صرف یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ آپ ڈیمانڈ کیا کر رہے ہیں- صوبوں میں کیا کچھ نہیں ہو رہا ہے- جو آپ کے چیف منسٹر کرنا چاہتے ہیں وہی کچھ کر رہے ہیں اور . fully autonomous ہیں وہاں پر سوائے ایک دو چیزوں کے- جہاں تک مجھے ذاتی طور پر علم ہے، ہر آدمی جو چاہتا ہے وہ کر رہا ہے صوبے میں، جو گورنمنٹ وہاں کی ہے وہ کر رہی ہے- باقی اٹانومی یہ کیا مانتے ہیں- تو اٹانومی میں سرخاب کے پر لگے ہوتے ہیں کہ یہ اٹانومی مانگتے ہیں- میں سمجھتا ہوں ساری چیز ہے- اب اس لحاظ سے تو بلوچستان کی گورنمنٹ کو لے لیں- ٹھیک ہے اچھی خاصی گورنمنٹ چل رہی ہے- آج بڑا اچھا کارٹون بھی تھا، شاید آپ نے جنگ میں نہ دیکھا ہو فرنٹ پیج پر کہ جی وہ چیف منسٹر صاحب جو ہیں وہ سارے وزراء کو آئس کریم کے ڈبے کے پاس لے گئے ہیں اور ان کو آئس کریم کھلانے کا لالچ دے رہے ہیں حالانکہ ہمارے چیف منسٹر خود شوقین بھی ہیں آئس کریم کھانے کے- وہ مخدوم صاحب اس بات کو appreciate کریں گے- مزید گزارش یہ ہے کہ ہمارے یہاں پر ہر چیز کنٹرولڈ ہے آئی ایم ایف سے- International Monetary Fund ہمیں آج تک نہیں پتہ ہے کہ بھئی ان کا کیا ہے کیونکہ ان سے قرضہ جات لیتے ہیں، وہ کہتا ہے اچھا جی گیس کے اوپر ان کو لگا دو ٹیکس- ان کی بجلی کا ٹیرف enhance کر دو، اس پر سرچارج لگا دو- اچھا زمینداروں پر واٹر ریٹ بڑھا دو- سبسڈی کم کرو- بھئی گورنمنٹ کی ایسی پالیسی ہونی چاہیئے کہ بھئی اوپر سے ہم کہتے ہیں کہ جی ہم نہیں قرضہ جات لیتے- آپ نہ لیں- کم از کم اپنے پاؤں پر ٹھہرنے والی پالیسی تو اختیار کریں ناں ہم آئی ایم ایف کے subjugate کیوں کرتے ہیں What is the reason behind it? اگر فنانس منسٹر ہوتے تو میں ان سے ضرور پوچھتا اور ہماری بدقسمتی یہ ہے کہ پچھلی دو تین حکومتوں کو آپ دیکھیں we have never got the proper Finance Minister جونیجو صاحب کے ٹائم میں، محترمہ بے نظیر کے ٹائم میں اور اب کوئی کام نہیں ہوتا کسی سینیٹر اور ایم این اے سے پوچھ لیں کہ آج تک فنانس منسٹر نے کام کیا ہے بھائی! کیا ہے تو مجھے نہیں

نظر آتا- ایمانداری کی بات ہے میں عرض کروں گا کہ اس گورنمنٹ نے کچھ اچھے کام بھی کئے ہیں- ان کی کوتاہیاں بھی ہیں- خود وزیراعظم صاحب ابھی خطاب کر کے گئے ہیں تو ان کو صرف میں ایک داد یہ دیتا ہوں کہ انہوں نے ہر چیز کی پالیسی اوپن رکھی ہوئی ہے-

جہاں تک یہ Presidential Election والا چکر چلا ہے تو اس میں آپ سے حقیقتاً ایک عرض کروں وہ ہوا یہ تھا کہ پرائم منسٹر صاحب بجٹ پاس کرا کر خود اعلان کرتے- اب ان کو یہ شک پڑھ گیا کہ صدر صاحب لوگوں کو بلا بلا کر اپنا candidature اعلان کر رہے ہیں- جو میں نے بات کی، میں نے کہا جی ایسی حقیقت نہیں ہے- ہم خود گئے ہیں اور جا کر اپنے مسئلے مسائل حل کئے ہیں تو اس سلسلے میں، میں پریس والے بھائیوں سے گزارش کروں گا کہ ایک اچھا مناسب رول کھیلیں تا کہ اس ملک میں ایک sensible قسم کی politics چلے اور ایسے نہ ہو جیسے انڈیا میں now democracy has become a problem in India ہمیں قسم کی ڈیموکریسی نہیں چاہیئے- پاکستان میں ہمارا اپنا سسٹم جو ہے even پارلیمنٹ یہ بھی تو برٹش سسٹم ہے، اب آگے اپ اسلام کی بات کرتے ہیں- کہیں پارلیمنٹ کی بات کرتے ہیں، کہیں ڈیموکریسی کی کرتے ہیں تو جو ہمارے عادات و اطوار" ہیں جو اسلامائزیشن ہے اس کے لحاظ سے بھی ہم تھوڑا سا آگے بڑھیں- Thank you Sir

جناب چیئرمین : شکریہ جناب! اب باری ہے جناب مزمل شاہ صاحب کی-

سید مزمل شاہ : جناب چیئرمین! شکریہ- حسب روایت اس ہاؤس میں صدر محترم کا 1992ء کا مجلس شوریٰ سے خطاب زیر بحث ہے- جناب چیئرمین! صدر محترم ایک مدبر، دور اندیشن اور دانشور شخص ہیں- ان کا تجزیہ یقیناً دانشمندانہ اور درست ہے- جناب چیئرمین! میں نہیں جانتا کہ آپ مجھے کتنا وقت دیں گے لیکن بہرحال آپ سے یہ عرض ہو گی -----

جناب چیئرمین : بیس منٹ جناب-

سید مزمل شاہ : بہرحال مجھے امید ہے آپ تھوڑی بہت حوصلہ افزائی

فرمائیں گے۔ جناب چیئرمین! صدر محترم نے اپنے خطاب میں ایک فقرہ استعمال کر کے جمہوریت کی ضرورت اور اس نظام کا عوامی ضرورت کے لئے اشد ضروری ہونا اس طرح واضح فرمایا ہے۔ ان کے وہ الفاظ جو انہوں نے جمہوریت کی تعریف کے طور پر فرمائے، قابل غور ہیں۔ جناب چیئرمین! وہ کچھ اس طرح ہیں کہ "عوام کی حکومت، عوام کے ذریعے، عوام کے لئے" تو جناب والا! جو دوست پارلیمنٹ کے ان معزز ایوانوں میں بیٹھے ہوئے ہیں ان کو اپنے پر یہ لازم کر لینا چاہیئے کہ ان کا کردار، ان کی ہر بات اور ہر سوچ صرف اور صرف عوام کی بہترین ضرورت اور ملک کے بہترین مفاد میں ہونی چاہیئے۔ جناب محترم! انسانوں کے اندر ایک دوسرے سے ذاتی اختلافات تو ہو سکتے ہیں لیکن اچھی قوموں کے افراد اپنی قومی ضروریات کو اپنے ذاتی اختلاف سے آگے بڑھ کر سنوارا اور سنبھالا کرتے ہیں۔

جناب چیئرمین! اگر آپ صدر پاکستان کے اس خطاب کو جو اس کتابچے میں الفاظ کی صورت میں درج ہے، اٹھا کر دیکھیں۔ یقیناً آپ نے دیکھا بھی ہو گا، انہوں نے اپنی آئینی ذمہ داری کے ساتھ ساتھ موجودہ حکومت کی کارکردگی کو، میں یوں کہوں گا سراہا ہی نہیں بلکہ اس کتابچے میں، میں نے یہ الفاظ بھی دیکھے ہیں کہ موجودہ حکومت اور جمہوری ادارے مسائل کے انبار سے چیزوں کو نکال کر عوامی مفاد کے لئے انتہائی محنت اور دیانتداری سے کام کر رہی ہے۔ جناب چیئرمین! اس ہاؤس میں بیٹھے ہوئے حزبِ اقتدار اور حزبِ اختلاف کا ہر ممبر قابلِ عزت ہے اور ہر ممبر یہ سمجھتا ہے کہ انہیں کل پھر جا کر عوامی عدالت میں عوام کے سامنے احتساب کے لئے پیش ہونا ہے۔ کیا جن مقاصد کے لئے ان کو ان معزز ایوانوں میں بھیجا گیا تھا انہوں نے اس میں عوام کی کس قدر نمائندگی کی ہے۔

دوسری بات جناب چیئرمین! کسی بھی سیاسی ماحول میں یہ ضروری ہوتا ہے کہ حکومتی پارٹی کا احتساب اور راہنمائی بھی کرنے والا کوئی ہو۔ اس ضرورت کو ہمیشہ ملک کی اپوزیشن پارٹیاں پوری کیا کرتی ہیں۔ لہٰذا جناب چیئرمین! ہمارے وطنِ عزیز پاکستان میں بھی سیاسی نظام میں اپوزیشن جماعتیں حکومت کا محاسبہ کرتی ہیں اور حزبِ اقتدار اپوزیشن کی تعمیری تنقید کے لئے مشکور و ممنون ہے۔ اس لئے کہ یہ ہماری عوامی اور پارلیمانی ضرورت ہے۔

جناب چیئرمین! آپ مجھے اجازت دیں گے کہ میں صدر مملکت کی تقریر

سے وہ باتیں آپ کے سامنے اس پارلیمنٹ کے ریکارڈ کی خاطر تھوڑی تفصیل سے عرض کروں۔

جناب والا! پہلی بات جو کہ اپنے خطاب میں صدر محترم نے فرمائی، وہ یہ ہے کہ پارلیمنٹ اور حکومت نے ملک کے وسیع تر مفاد میں قانون سازی کو پچھلے سال کی طرح 1992ء میں بھی مثالی قرار دیا۔ جناب والا! دوسری بات انہوں نے۔ یہ فرمائی کہ ملک کی تاریخ کے بدترین سیلاب میں حکومت کی اعلٰی انتظامی صلاحیت، متاثرین کی امداد و بحالی اور تعمیرِ نو قابلِ ستائش رہی۔ نمبر 3 اقتصادی کاوشوں کو یقیناً مثبت اقدام کے طور پر ذکر کیا گیا۔ نمبر 4 قومی آمدنی کی شرح گزشتہ سال کے مقابلے میں بہتر رہی جس کی نسبت سال گزشتہ یعنی 92 - 1991ء میں 5.6 اور 93 - 1992ء - کے لئے بڑھ کر 6.4 ہو گئی۔ نمبر 5 جناب والا! صدر مملکت نے اپنے خطاب میں یہ فرمایا کہ برآمدات میں اس سال 12.6 فیصد اضافہ ہوا۔ نمبر 7 زرِمبادلہ کے ذخائر 30 جون تک ایک ارب سے تجاوز کر گئے۔ نمبر 8 حضور والا ! توانائی، مواصلات اور نقل و حمل کے شعبوں میں اہم منصوبے تیار کئے گئے۔ نمبر 9 ایک خطیر رقم سے بیت المال کا قیام عمل میں لایا گیا۔ نمبر 10 کم ترقی یافتہ علاقوں میں ابتدائی تعلیم، بنیادی صحت، پینے کا صاف پانی، سماجی بہبود کے ایک مربوط منصوبے پر زرِکثیر کے ساتھ عمل کیا گیا۔ نمبر 11 امن و امان کا مسئلہ تسلی بخش رہا۔ گھناؤنے جرائم میں نمایاں کمی ہوئی۔ بازاروں کی رونقیں لوٹ آئیں اور شاہراہ کافی حد تک محفوظ ہو گئے۔ نمبر 12 بے روزگاری یقیناً ایک تشویش ناک مسئلہ ہے۔ جس کے لئے کافی بہتر اقدامات اٹھائے گئے ہیں۔ مزید حکومت نے پارلیمنٹ کی مدد سے مربوط کوشش کے ذریعے ایک package deal پرعمل کا ارادہ کر رکھا ہے جس سے اس معاملے کا سدِباب ممکن ہوسکے گا۔ نمبر 13 قومی ترقی میں بالخصوص اخبارات کے عمل دخل کو تسلیم کرتے ہوئے حکومت نے اخبارات کو مکمل آزادی دے رکھی ہے۔ حکومت اور پارلیمنٹ اخبارات سے بھی بہتر ردِعمل کی توقع رکھتی ہے۔ قومی سطح پر تعلیمی معیار کا تناسب غیرتسلی بخش ہے۔ نئی تعلیمی پالیسی مرتب کی گئی ہے شاید مددگار ثابت ہو سکے۔ نمبر 14 ہاؤسنگ پالیسی، سوشل ایکشن پروگرام پر جامع کام کی ابتدا کر دی گئی ہے۔ جناب چیئرمین! صدر مملکت نے چند فوری توجہ طلب مسائل کی طرف بھی نشاندہی کی ہے، وہ یہ ہے:۔

نمبر 1 - آبادی میں بے محابہ اضافے کی روک تھام۔

نمبر 2 - ماحول کی آلودگی- ماحول کو آلودگی سے بچانے کے لئے تحفظ اور بروقت اقدام کرنا-

نمبر 3 - جناب! معاشرے میں خواتین کے باوقار مقام کو یقینی بنانا اور مناسب نمائندگی کا اہتمام کرنا-

نمبر 4 - معاشرے سے کرپشن کی لعنت کو ختم کرنا-

جناب چیئرمین! ان دوچار ترجیحات کے ماسوا حکومت کے سارے اقتصادی، معاشرتی اور معاشی کارکردگی اور کوشش کو صدر مملکت نے اپنایا ہے اور خارجہ طور پر بھی خارجہ پالیسی کو خوش آئند کہا گیا ہے- یہ دوسری بات ہے کہ ہم اپنی خوداری سے نیچے اتر کر اس ہاؤس کے وقار کو مجروح کریں- میں سمجھتا ہوں کہ اس معزز ایوان کا ہر رکن عوام کا ایک مینڈیٹ لے کر آیا ہو ہے- اس سے بڑی عزت اور بڑا مقام شاید انہیں کوئی دوسرا نہیں دے سکتا- اور بالخصوص وہ بڑے لوگ جو خود بھی عوام کے منتخب شدہ ہیں ان کو بھی عزت انہی لوگوں نے دی ہے- لہٰذا جو عزت عوام کی طرف معزز اراکین پارلیمنٹ کو ملی ہے شاید دوسرا کوئی اس کا نعم البدل نہیں ہو سکتا- لیکن ہماری بدقسمتی رہی ہے اس ملک اور جس کی وجہ سے ہم اپنی قومی زندگی کے 45 یا 46 سال کچھ ایسے لوگوں کی کوتاہیوں اور غلطیوں کی وجہ سے ضائع کر بیٹھے ہیں جو کچھ بااثر لوگوں کو خوش کرنے کے لئے ہمیشہ جھوٹے ذاتی مفاد کی خاطر ہوشیار، خبردار رہنے کے لئے ہمہ وقت تیار رہتے ہیں-

ہر انسان میں یقیناً تھوڑی بہت کمزوریاں تو ضرور ہوتی ہیں- لیکن چاپلوسی ایک اتنی بدتمیز قسم کی کمزوری ہے جو اس آدمی کی اپنی عزت کو بھی ختم کر دیتی ہے- اور جس کی چاپلوسی کی جائے، اس کو بھی آگے جا کر معاشرے میں تباہ و برباد کر دیتی ہے اور اس صحیح سمت اور لائن اور پٹڑی سے اتار دیتی ہے- نتیجہ بعد میں بغیر افسوس اور شرمندگی کے ایسے لوگوں کے پاس کچھ نہیں رہتا- اللہ تبارک تعالیٰ ہمارے معاشرے کے حکمرانوں، پارلیمنٹ اور سیاسی اداروں سے اس قسم کے رجحانات سے محفوظ رکھے-

جناب والا! اب میں چند باتیں آپ کی خدمت میں عرض کرنا چاہتا ہوں، جو آپ کی وساطت سے سفارش کے طور پر سربراہ مملکت، سربراہ حکومت اور پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں کے لئے قابلِ غور اور فیصلہ طلب ہیں- آپ کی موجودگی میں اس معزز ایوان نے ایک بل پاس کیا تھا جس کے ذریعے قرآن اور سنت کو

ملک کا سپریم لاء قرار دیا گیا تھا۔ جناب والا! میرا، آپ سب کا اور ہر اس شخص کا جس کا مسلمان ہوتے ہوئے اللہ کی واحدانیت اور رسالت مآب پر ایمان ہے وہ قرآن کو الہامی نوید اور پیغام سمجھتے ہیں۔ قادرِ مطلق یقیناً قادر ہے ہر بات پر اور انسان جو اس کی تخلیق ہے اس کے لئے جو نظریہ حیات درست سمجھا جاتا ہے یقیناً وہی درست ہو سکتا ہے۔ اس سلسلے میں میری یہ عرض ہو گی کہ براہ کرم اس بل کو جلد از جلد آئین کا حصہ بنانے کی کوشش کی جائے۔ نمبر 2 خواتین معاشرے کا ایک باوقار حصہ ہیں اور تقریباً 51 فیصد پاپولیشن کا بھی۔ جناب والا! اس ضرورت کی طرف جناب صدر پاکستان نے بھی اشارہ کیا ہے۔ اس امر کا احساس تقریباً ہر معزز ممبر کے ذہن میں ہو گا کہ ہم ابھی تک خواتین کو نمائندگی دینے میں ناکام رہے ہیں یا اس پر تساہل برتا گیا ہے۔ لہٰذا میری یہ خواہش ہو گی کہ اس ضمن میں حکومت اور پارلیمنٹ کو فوری اقدامات اٹھانے چاہیئں۔

تیسری بات جناب والا! آپ جانتے ہیں اور مجھ سے بہت بہتر سمجھتے ہیں اس بات کو کہ ہماری آبادی جس رفتار سے بڑھ رہی ہے اسی رفتار سے ہماری ایگریکلچر پالیسی ناکام نظر آ رہی ہے۔ اس سلسلے میں میری یہ عرض ہو گی کہ اس ضرورت کو پیش نظر رکھتے ہوئے صوبہ سرحد میں ڈی آئی خان اور صوبہ بلوچستان میں بے پناہ رقبہ غیرآباد پڑا ہوا ہے۔ اس کے لئے پانی کا انتظام کر کے حکومت کو اس مسئلے کی طرف اور اس ضرورت کو تسلیم کرتے ہوئے فوری اقدامات کئے جائیں۔

جناب والا! ملک میں امن و امان کی حالت کافی بہتر ہوئی ہے لیکن اسے 100 فیصد نہیں کہا جا سکتا۔ حکومت نے بیرونی صنعتکاروں کو پاکستان میں سرمایہ لانے کی لامتناہی کوشش اور کاوش کی ہے۔ اس مقصد کو حل کرنے کے لئے بھی اور اپنے عوام کو بھی بے خطر بنانے کے لئے اس مسئلے کی اہمیت کو مزید منصوبہ بندی سے حل کرنے کی Priority کے طور پر کوشش کرنی چاہیئے۔ جناب چیئرمین! افواجِ پاکستان نے صوبہ سندھ میں سوال انتظامیہ کی مدد کے لئے لاء اینڈ آرڈر situation کو اس احسن طریقے سے سرانجام دیا، میں جناب کی وساطت سے افواجِ پاکستان کے لئے نیک خواہشات کا پیغام سربراہِ افواج پاکستان کے لئے ذریعے پہنچایا جائے۔ موجودہ حکومت نے ECO کی مشترکہ اقتصادی تعاون کی تنظیم ---

جناب چیئرمین: اب ذرا wind up کر لیں شاہ صاحب۔

سید مزمل شاہ : سر ابھی تو -----

جناب چیئرمین: بس جی وہ کہنے کو تو بہت کچھ ہے۔

سید مزمل شاہ : ابھی تو ابتدا ہے۔ اقتصادی تعاون کی تنظیم جو دس اسلامی ممالک پر مشتمل ہے اور جس سے تقریباً 30 کروڑ انسانوں کی آبادی متعلق ہے، اس کو اس کے ساتھ اقتصادی تعاون کے معاہدوں پر دستخط کر کے دوستی کے بہترین رشتے قائم کئے ہیں اور ایک بہت بڑا قومی فریضہ انجام دیا ہے۔ اس کے لئے جناب والا! میری یہ تجویز ہو گی کہ ان اسلامی ممالک میں سیاسی اداروں سے سیاسی افراد کو سفارت کی ڈیوٹی دی جائے کیونکہ ملکوں سے تعلقات سیاست کے پیش خیمہ ہوتے ہیں تو اس معاملے میں پاکستان کی بہتر نمائندگی جو ایک سیاسی سوجھ بوجھ رکھنے والا سفیر کر سکتا ہے وہ دوسرا آدمی شاید نہیں کر سکتا۔ مثال کے طور پر میں امریکہ کی جناب آپ کو مثال دوں گا کہ وہاں محترمہ عابدہ حسین ایک سیاستدان اور ایک سیاسی فیملی سے تعلق رکھتی ہیں اور وہاں امریکہ میں پاکستان کی جس قدر بہتر نمائندگی وہ بحیثیت سیاستدان فرما رہی ہیں، میرے خیال میں وہ یقیناً اپنی مثال خود ہیں۔

جناب چیئرمین! اس ہاؤس میں ایک انتہائی اور حساس مسئلے پر کافی گفتگو ہوئی ہے۔ میری یہ کوشش تو ہو گی کہ اس میں کوئی ڈپلیکیشن نہ ہو لیکن یہ مسئلہ ایسا ہے کہ کہیں نہ کہیں ایسی بات ممکن ہو سکتی ہے وہ مسئلہ ہے "صدرِ پاکستان" کا الیکشن اور آٹھویں ترمیم۔ جناب چیئرمین! بڑے افسوس سے مجھے یہ کہنا پڑ رہا ہے کہ صدارتی انتخاب میں ابھی نو یا دس ماہ باقی ہیں لیکن اخبارات میں لوگوں کے بیانات، اخبارات کے ایڈیٹوریل، بازاروں اور دیہاتوں میں جو لوگ ریڈیو اور ٹی وی دیکھتے ہیں ان کی سوچ کہ کون صدر بنے گا، کیسے بنے گا اور سیاسی جماعتیں، حکومت، اپوزیشن کا اس معاملے میں کیا رول ہو گا۔

صدر مملکت نے ابھی تک اپنے آپ کو صدارتی امیدوار ہونے کا کوئی اعلان کرنے کی قبل از وقت ضرورت نہیں سمجھی۔ لیکن کچھ بڑے ذمہ دار لوگ جیسے کہ ہمارے دوست طارق چوہدری صاحب ہیں، میں ان کی ہی مثال دیئے دیتا ہوں، جن سے ہمیں بڑی محبت ہے اور وہ بھی ہم سے بڑی محبت رکھتے ہیں۔ صدر صاحب تو بولے نہیں لیکن دروازے پر کھڑے کا آواز آ گیا کہ صدر صاحب کا

الیکشن تو ہم لڑیں گے۔ صدر صاحب کون ہوتے ہیں، ہم لڑیں گے وہ الیکشن۔

جناب والا! میں یہ سمجھتا ہوں کہ صدر پاکستان یقیناً ایک ایسی شخصیت ہیں جن کا تقریباً سبھی لوگ عزت و احترام کرتے ہیں۔ اختلاف رائے ہونا ایک دوسری بات ہے۔ وہ ہر آدمی کا حق ہے لیکن بحیثیت انسان ان کی معاشرہ میں عزت ہو۔ وہ اس مسئلے کو خود بہتر طریقے سے نبھا سکتے ہیں۔ اگر میں یا کوئی دوسرا اس مسئلے میں نہ پڑے تو بہتر ہو گا۔ جہاں تک آٹھویں ترمیم کا تعلق ہے۔ جناب والا! یہ ترمیم 1985ء میں کی گئی۔ اس بات کی سمجھ تو آتی ہے کہ اس وقت اس کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی۔ اس لئے کہ اس وقت کسی نمائندہ فرد کی نہیں بلکہ ایک آمر کی حکومت تھی اور اسے اپنے دورِ حکومت کو دوام بخشنا تھا۔ لیکن 1986ء اور 1990ء میں اس ترمیم نے جن لوگوں کو مقتل تک پہنچایا آج تک ان کا خون خشک نہیں ہوا۔ جناب والا! جو لوگ اس ملک میں بنیادی مالک اور وارث ہیں جن کو عوام کہا جاتا ہے۔ ان کا مینڈیٹ لے کر ان اسمبلیوں تک پہنچے تھے۔ یہ وہی آٹھویں ترمیم ہے جس کی حمایت آج بھی کچھ درباری قسم کے لوگ کر رہے ہیں جس نے بیک وقت حکومت اور پارلیمنٹ اور عوام کا قتل کیا۔

Syed Abdullah Shah: Sir, with respect to Shah Sahib.
انہوں نے فرمایا کہ جو آٹھویں ترمیم کی سپورٹ کرتے ہیں وہ درباری قسم کے لوگ ہیں۔
Sir I think Darbari (درباری) is not aproper word, I mean in Parliament one can speak for or against.

سید مزمل شاہ : شکریہ! میں اس کی معافی چاہوں گا۔

جناب چیئرمین : شاہ صاحب conclude کریں۔

سید مزمل شاہ : میں ختم کرتا ہوں۔ جناب چیئرمین! میں آپ کا مشکور ہوں، اس ایوان کا بھی، پتہ نہیں میری باتوں سے معزز اراکین بیزار تو نہیں ہوئے ہوں گے۔ مجھے یقین ہے کہ ایسا نہیں ہوا ہو گا لیکن جہاں تک وقت کی

کمی کا تعلق ہے اس کا احساس میں ضرور کروں گا۔

جناب چیئرمین! میں آپ کو ایسے ملکوں کی مثال دوں گا جنہوں نے اپنے قومی اصولوں، وقار اور سیاسی تسلسل اور اپنی عوامی ضرورت کو پیش نظر رکھتے ہوئے اسی نظام کے ذریعے ترقی کی اور آج وہ دنیا میں سپرپاور ہیں۔

جناب والا! اس ترمیم نے ہمارے نظام کو نہ تو پارلیمانی چھوڑا اور نہ صدارتی۔ جناب محترم! مثال کے طور پر میں عرض کروں گا، امریکہ میں صدارتی نظام حکومت ہے لیکن وہاں کانگرس کی اس قدر بالادستی ہے کہ صدر امریکہ کے نامزد افراد سینٹ کی منظوری کے بغیر ان پر عمل پذیر نہیں ہو سکتا۔ خواہ وہ وزراء ہوں یا جج صاحبان ہوں، سفیر ہوں یا کسی دوسرے عہدوں پر فائز افراد ہوں۔ وہاں صدارتی نظام کے ہوتے ہوئے بھی عوامی اداروں کی اس قدر اہمیت ہے۔

جناب والا! برطانیہ میں نظام حکومت پارلیمانی طرز کا ہے لیکن پارلیمنٹ کی بالادستی کا یہ عالم ہے کہ پارلیمنٹ سربراہ مملکت اور سربراہ حکومت کو سبکدوش کر سکتی ہے لیکن یہ دونوں پارلیمنٹ کو نہیں کر سکتے۔

جناب محترم! میرے کہنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ اگر ہم اپنے آئین کا تقدس کرتے ہیں، اپنے آئین کا احترام کرتے ہیں اور ہم یہ چاہتے ہیں کہ یہ پارلیمانی طریقہ جمہوریت ہم نے اپنانا ہے تو ہمیں ان اصولوں کو بھی اپنانا ہو گا جس سے اس کا چلنا اور قوم کے لئے سودمند ثابت ہونا ممکن ہے۔ جناب والا! میں اب صرف یہ کہنا چاہوں گا، آپ کی خدمت میں یہ عرض کرنا چاہوں گا کہ یہ آٹھویں ترمیم جو آئین میں کی گئی اس کو یقیناً کانٹ چھانٹ کے ساتھ یا کلیتاً ختم کر کے عوام اور پارلیمنٹ کے مفاد میں بنانا ہو گا۔ اس کے لئے میں یہ سمجھتا ہوں کہ کیا ہی اچھا ہو کہ گورنمنٹ ---

جناب چیئرمین : اس کو ختم کریں جی۔

سید مزمل شاہ : میں اس کو ختم کرتا ہوں جی جناب! کہ حکومت اور اپوزیشن اور دیگر سیاسی جماعتوں کے لیڈر صاحبان اس معاملہ کی اہمیت کو سمجھتے

ہوئے آپس میں اس قومی مسئلہ پر مل بیٹھیں اور صدر پاکستان کو ان کے ساتھ بات چیت کے ذریعے اس بات کے لئے راضی کر لیں کہ وہ رضاکارانہ طور پر اس آٹھویں ترمیم کو واپس لینے میں یا اس کو اس آئین سے باہر نکالنے کے لئے وہ 73ء کے آئین کو بحال کرنے کے لئے ان کی رضامندی حاصل کر سکیں۔

جناب چیئرمین : شکریہ جی۔

سید مزمل شاہ : تو میرا یہ خیال ہے کہ ایسا کرنے سے صدر پاکستان کے الیکشن کا معاملہ بھی انشاء اللہ آسان اور حل ہو جائے گا۔ شکریہ جناب۔ تھینک یو۔ تھینک یو۔

جناب چیئرمین : راجہ ظفر الحق صاحب۔

راجہ محمد ظفر الحق : بسم اللہ الرحمٰن الرحیم - شکریہ جناب چیئرمین ! حقیقت تو یہ ہے کہ صدر مملکت کے خطاب پر اتنی تقاریر ہو چکی ہیں کہ بہت ساری باتوں کا تو اعادہ ہو رہا ہے لیکن میں کوشش کروں گا کہ ان چیزوں کو repeat نہ کیا جائے جو اس سے پہلے ایوان میں کہی جا چکی ہیں۔ صدر مملکت نے اپنے خطاب میں سب سے پہلے پاکستان کے اندر جمہوری اداروں اور جمہوریت کے مستقبل کے بارے میں بات کی ہے۔ میرا اپنا تجزیہ یہ ہے کہ جب بھی جمہوری اداروں کو یا ملکی مفاد کو نقصان پہنچا، وہ سیاسی محاذ آرائی سے پہنچا اور ہماری سیاسی تاریخ اس سے بھری پڑی ہے۔ اگر54 - 1953ء کی اسمبلی ٹوٹی، اگر 1958ء میں مارشل لاء آیا اور اس سے پہلے ایک محاذ آرائی کی کیفیت ہوئی 71 -1970ء میں دونوں پاکستان کے حصوں میں محاذ آرائی کی کیفیت پیدا ہو گئی یا 1977ء میں اس وقت کی حکومت اور اپوزیشن کے درمیان محاذ آرائی کی وہ کیفیت پیدا ہوئی جس میں بے شمار جانیں بھی ضائع ہوئیں، املاک کو بھی نقصان پہنچا اور کوئی مل بیٹھ کر حل تلاش نہ کیا جا سکا تو یہ ساری مثالیں اس بات کی غمازی کرتی ہیں کہ اگر پولیٹیکل میچوریٹی اس ملک میں آنی ہے، اگر جمہوریت کا مستقبل محفوظ ہونا ہے، اگر قومی مفادات کی حفاظت مل جل کر کرنی ہے تو اس کا واحد علاج یہی ہے کہ ایک base ہمارے پاس موجود ہے، آئین کا ایک base موجود ہے، ملکی مفاد کا، اس کے مستقبل کا۔ تو قیادت خواہ ایک جماعت کی ہو یا سب جماعتوں کی ہو، وہ آپس میں مل بیٹھ کر معاملات طے کرنے کی عادت ڈالیں۔ اس ایوان کو علم ہے کہ جناب چیئرمین! ایک سال قبل جو خطاب صدر مملکت کا ہوا تھا۔ اس میں کچھ بد مزگی پیدا ہوئی تھی لیکن مجھے خوشی ہے کہ اس بار 1992ء کے خطاب کے دوران وہ

کیفیت نہیں تھی اور اس کے کچھ وقت کے بعد محسوس کیا جا رہا ہے کہ اپوزیشن اور گورنمنٹ کے تعلقات میں وہ تلخی باقی نہیں رہی جو پہلے ہوتی تھی- میں ان لوگوں میں سے ہوں جو اس بات کو welcome کرتا ہوں- میں اسے ملک کے مستقبل کے لئے خوش آئند سمجھتا ہوں اور پاکستان پر جو اس خطے کے ایک ملک ہونے کی حیثیت سے نہایت اہم اور حساس ذمہ داریاں موجود ہیں ان سے عہدہ برآ ہونے کے لحاظ سے بھی میں سمجھتا ہوں کہ یہ بڑی خوش آئند بات ہے کہ اپوزیشن اور گورنمنٹ کے درمیان ایک working relationship قائم ہو جائے اور ہمیں اس بات کی طرف اپنے بیانات سے، اپنے اعمال سے، اپنے طرز فکر سے کوشش کرنی چاہیے کہ یہ process آگے بڑھے، اس میں کمی یا رکاوٹ پیدا نہ ہو- میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ بعض حضرات ایسے بھی موجود ہیں جو اس محاذ آرائی کو بھی اپنی ذاتی سیاست کا محور سمجھتے ہیں- اسے ہی اپنا معیار سمجھتے ہیں تو غیر مناسب ہے- لیکن ان کی بہت قلیل تعداد ہے- ملک کے افراد ہوں یا ارکان اسمبلی ہوں....

[At this stage the Chair was vacated by the Chairman which was occupied by Mir Abdul Jabbar as Presiding Officer.]

راجہ محمد ظفرالحق : اکثریت کی ایک واضح اکثریت کی خواہش یہی ہے کہ ملک کے حالات، ملک کی سیاست اس محاذآرائی سے آگے بڑھے- دوسری جس بات کی جانب صدر مملکت نے توجہ دلائی ہے وہ بھی ایک ایسا موضوع ہے جس پر ہر ذی ہوش انسان سوچنے پر مجبور ہے- وہ یہ ہے کہ سیاست کا معیار ایسا ہوتا جا رہا ہے یہاں کوئی تعلیم، یہاں کوئی سیاست، کوئی پبلک سروس ، کسی اور چیز سے بڑھ کر بنک بیلنس اور الیکشن کے موقع کے اوپر زیادہ سے زیادہ رقم خرچ کر سکنے کی صلاحیت- یہ صلاحیت ہی اگر سب کچھ چیز بن جائے تو پھر سیاست میں آپ دیکھتے ہیں کہ کتنی تنزل کی طرف تیزی سے چلی جاتی ہے اور سیاست یا سیاسی قیادت ایک ایسا عنصر ہے جس کی خرابی کے اور اچھائی دونوں کے اثرات باقی زندگی کے ہر شعبے پر پڑتے ہیں- اگر سیاسی قیادت اعلیٰ پیمانے کی ہو، پورے ملک کے مفاد کوسامنے رکھنے والی ہو، ذاتی لالچ کرنے والی نہ ہو تو پھر آپ دیکھیں گے کہ اس کے اثرات نہ صرف جماعتوں کے نچلی سطح تک جائیں گے بلکہ بیوروکریسی پر، جوڈیشری پر، فوج کے اوپر، ہر ایک شعبے کے اوپر، بزنس کے اوپر، فارن افیئرز کے اوپر، ہر ایک شعبے کے اوپر اس کے اچھے اثرات مرتب ہوں گے لیکن اگر بات اس کے الٹ ہو اور سیاسی قیادت وہ لیڈرشپ، وہintegerity فراہم نہ کر سکے تو

پھر دولت کے حصول کے لئے ملک کے اندر جو race ہے اس میں پھر اضافہ ہو جاتا ہے اور آج جو کیفیت ہے وہ اسی بات کا ایک نتیجہ ہے لہٰذا اگر آئین کے اندر یہ آرٹیکل موجود ہے کہ ایک رکن پارلیمنٹ کے لئے یا ایک رکن اسمبلی کے لئے کیا کوالیفیکیشن ہونی چاہیئے تو پھر اس کے sub-constitutional legislation بھی ہونی چاہیئے۔ اس کے لئے قانون بنا نہیں ہے ابھی تک۔ وہ قانون بننا چاہیئے لیکن میں یہ سمجھتا ہوں کہ صرف قانون ہی ساری چیز نہیں ہو گی، سارے مسائل اس بات سے حل نہیں ہو سکتے کہ قانون بنا دیا جائے اور پھر ساری ترتیب اس کے مطابق ہو جائے گی۔ ایسا بھی نہیں ہے۔ اس میں پھر ایک اخلاقی دباؤ کی بھی کیفیت پیدا کرنا بہت ضروری ہے۔ جیسے ڈاکٹر حضرات یہ جانتے ہیں کہ یہ بنیادی تعلیم میں سے ڈاکٹری کی کہ جس کے جسم کے اندر ہڈیاں باقی چیزوں کے علاوہ اس کی shape کو، انسانی shape کو درست کرنے کا ایک فریضہ سرانجام دیتی ہیں۔ اگر ہڈیاں نہ ہوں تو یہ ایک limp سا گوشت سا موجود ہو، نہ موومنٹ کر سکے نہ اس کی کوئی شکل ہو۔ قانون وہ ایک shape تو مہیا کرتا ہے۔ وہ بیرومیٹر تو دیتا ہے لیکن اس کے اندر خوبصورتی پیدا کرنا یا اصل روح پیدا کرنا، ایک سوشل پریشر اور مارل پریشر کے ذریعہ سے آ سکتا ہے لہٰذا یہ جو دولت کا ایک زیادہ دیوتا بن جانے کی کیفیت پیدا ہو گئی ہے اسے رفع کرنے کے لئے جہاں قانون کی ضرورت ہے وہاں اس بات کی بھی شدید ضرورت ہے کہ قیادت اپنی مثال کے ذریعہ ایک مارل پریشر کی کیفت پیدا کرے اور بے پناہ لیکچرز ہوتے ہیں، کتابوں میں بچوں کو پڑھایا جائے لیکن اگر عملی زندگی میں اس کی جھلک نظر نہ آئے تو پھر ان دونوں کے درمیان تضاد کی کیفت میں عملی صورتیں جو پورے معاشرے میں نظر آتی ہیں، ان کو precedent حاصل ہو جاتا ہے۔ نوجوان نسل بعد میں جس کسی شعبے میں جائے گی، اس کے اوپر اثرات، اس اخلاقی بگاڑ کے اثرات موجود رہیں گے۔ لہٰذا اس کے لئے ابتدا کرنے کی ضرورت ہے۔ الحمد للہ، اس میں کوئی شک نہیں کہ اس بات کا احساس موجود ہے جو ایک بنیادی چیز ہے لیکن آگے اس کو ایک موومنٹ کی شکل دینے کی ضرورت باقی رہتی ہے۔ اس کے لئے سب سے ضروری چیز جو میں سمجھتا ہوں وہ یہ ہے کہ آج تک یہ کیفیت رہی ہے کہ اسمبلی کے ارکان کو راضی رکھنے کے لئے، ان کو خوش رکھنے کے لئے، پارلیمانی سسٹم میں اس کی ضرورت تو ہوتی ہے، لیکن اس ضرورت نے ایک نیا روپ دھار لیا ہے کہ اگر سرکاری ملازمتیں ہیں، خواہ وہ تعلیم کے شعبے میں ہی کیوں نہ ہوں، تو وہ بجائے میرٹ کے ایک اور طریقہ کار کے ذریعہ سے، اسمبلی کے ارکان کے ذریعہ سے، ان

کو پُر کیا جاتا ہے۔ اس سے بڑا ظلم تعلیم کے اوپر نہیں ہو سکتا ہے۔ اگر تعلیم کے بنیادی شعبے میں بھی، میرٹ کے ذریعہ ایسے ایسے نالائق اور نااہل لوگوں کو تعینات کر دیا جائے اور پھر توقع یہ رکھی جائے کہ اس کے نتائج قومی تعلیمی پالیسی کے بہتر ہوں گے، ناممکن ہے۔ یہی کیفیت ہر شعبے کی ہے۔ صحت کے شعبے کی ہے، باقی چیزوں کی ہے۔ اس لئے میرٹ کو الگ کر کے ایک اور نظام رائج کرنا ٹھیک نہیں ہے جب کہ جناب چیئرمین! اس سے پہلے کوششیں کی گئیں کہ اسمبلی کے ارکان کو ساتھ رکھنے کے لئے سب کچھ اور سارے اصولوں کو بھی پھلانگا گیا لیکن ہم نے خود یہ دیکھا ہماری تاریخ میں یہ بات رقم ہے کہ حکومتوں کے ٹوٹنے میں یہ اسمبلی کے ارکان کی خوشنودی رکاوٹ نہیں بن سکی۔ حکومتیں آئیں اور چلی گئیں۔ لوگوں نے یہ بھی نہیں دیکھا کہ کوئی حکومت کتنے مہینے رہی اور کتنے سال رہی۔ دیکھا یہ گیا کہ کس نے ملک کے لئے کچھ کیا۔ اس کی پرفارمنس کیا تھی۔ اس لئے یہ رواج کہ زیادہ سے زیادہ سہولتیں، زیادہ سے زیادہ مراعات اور ان معاملات میں بھی جہاں کہ بالکل ایک واضح نظام ہونا چاہیئے، اس کو چھوڑ کر ان راستوں کو اختیار کرنے سے، آپ دیکھتے ہیں کہ ہر ایک شعبے میں تنزل پیدا ہوتا چلا جا رہا ہے۔

حضرت قائداعظم کا احسان ہم اس لئے مانتے ہیں کہ انہوں نے کروڑوں مسلمانوں کی آزادی کا اہتمام کیا، اپنی فراست سے، اپنی مضبوطی سے، اپنی اصول پرستی سے، لیکن اس کے بعد میں سمجھتا ہوں کہ سب سے بڑا محسن اس پاکستان کا، اس قوم کا وہی ہو گا جو اس ملک کو ایک نظام مہیا کر سکے گا جو مکمل طور پر میرٹ کے اوپر ہو، اور ہر شہری کو یقین ہو کہ جو اس کا حق ہے اس پر کوئی ڈاکہ نہیں مار سکتا۔ بغیر سفارش کے اگر ٹیلیفون نہ لگ سکے، بغیر سفارش کے اگر بچوں کو سکولوں اور کالجوں میں داخلہ نہ مل سکے، بغیر سفارش کے نائب قاصد کی ملازمت نہ مل سکے، بغیر سفارش کے اگر تھانے میں رپورٹ درج نہ ہو سکے تو پھر میرٹ کہاں جائے۔ یہ قوم جو ہے باقی اکنامک ٹائیگرز ہیں ان کا مقابلہ کیسے کر سکے گی، ممکن نہیں ہے۔ اس لئے ایک نظام لانا چاہیئے جس کی بنیاد عدل اور انصاف کے اوپر ہو۔ یہی آئین کا منشا بھی ہے اور یہی ہماری قومی ضرورت بھی ہے۔ جب اس کے بارے میں پیش رفت ہو گی تو پھر ہم سمجھیں گے کہ ہمارا قبلہ درست ہے۔ ہم صحیح رخ پر اپنی چال چل رہے ہیں۔ اس میں خواہ سست روی ہو گی یا تیز روی ہو گی، کم از کم یہ تو اندازہ ہو گا کہ اتنے طویل سفر کے لئے کچھ بنیادی اقدامات اٹھائے جا رہے ہیں۔

صدر مملکت نے ملکی اور قومی معاملات کے علاوہ ہمارے جو بیرونی ملک کے ساتھ مسائل ہیں، جس میں پاکستان کا اپنا انٹرسٹ بھی ہے ان کے بارے میں بھی بات کی ہے۔ جس میں انہوں نے صفحہ 20 کے اوپر افغانستان کا ذکر کیا ہے۔ جناب چیئرمین! آپ کی دلچسپی کے لئے عرض کروں گا کہ کچھ مہینے پہلے مغرب کی ایک لیڈنگ پاور کے ایک شہر میں ایک سیمینار ہوا۔ جس میں اس سارے علاقے کی صورتحال کو زیربحث لایا گیا اور یونیورسٹیوں کے پروفیسرز اور diplomats نے اس میں حصہ لیا۔ بڑے ہائی لیول کا وہ سمپوزیم تھا۔ آپ کو یہ بھی علم ہو گا کہ آج سے تیرہ سال پہلے صدر نکسن نے یہ تحریر کیا تھا۔ آپ اندازہ فرمائیں، انہوں نے یہ کہا کہ روس کے منتشر ہو جانے کے بعد بھی اس خطے میں ہماری کچھ پرابلمز رہ جائیں گی۔ انہوں نے کہاں کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ روس کی وجہ سے امریکہ کو اور باقی اتحادیوں کو بڑی پرابلمز ہیں لیکن روس نہ بھی رہے تو پھر بھی کچھ پرابلمز اس علاقے میں رہیں گی۔ اس وقت انہوں نے یہ نشاندہی کی تھی جو کہ تحریری طور پر موجود ہے کہ اس علاقے میں سب سے بڑا خطرہ یا خدشہ Islamic fundamentalism سے ہو گا۔ یہ 13 سال پہلے کی بات ہے، اور پھر اس کے بعد یہ سمپوزیم جس کا میں تذکرہ کر رہا ہوں جو کہ چند مہینے پہلا ہوا ہے، اس میں اسی علاقے کو ڈسکس کیا گیا ہے، اس میں انہوں نے یہ کہا ہے کہ روس کے جن علاقوں سے بھی چھ ریاستیں آزاد ہوئی ہیں، یہ ایک بہت موثر بلاک بن سکتا ہے، افغانستان، ایران، پاکستان کے ساتھ۔ لہٰذا اس بارے میں ہمارا کیا response ہونا چاہیئے۔

آپ کو یہ علم ہے کہ امریکہ میں پالیسی صرف وائٹ ہاؤس میں ہی نہیں بنتی ہے، امریکہ میں فیکلٹیز بناتی ہیں، بزنس مین بناتے ہیں، اور لوگ بناتے ہیں، اور سارا جو اس کا مجموعہ ہوتا ہے، وہ پھر ایک سسٹم میں فیڈ کر دیا جاتا ہے، پھر اپنے نتائج کے لحاظ سے اس پر عملدرآمد ہوتا ہے۔ انہوں نے یہ کہا کہ اگر یہ علاقہ ترکی کی طرف دیکھتا ہے تو انہوں نے کہا کہ ہمیں اطمینان ہے چونکہ ترکی سیکولر ہے اس لئے وہ اس علاقے میں زیادہ موثر کردار ادا نہیں کر سکے گا۔ اس لئے اگر وہ ترکی کی طرف دیکھتے ہیں اور اس کے سسٹم کی طرف دیکھتے ہیں اور اگر وہ اسے اپنائیں تو ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہے۔ اس کے بعد انہوں نے کہا کہ اگر سعودی عرب انہیں کچھ مساجد بنانے کے لئے امداد دیتا ہے، یا کچھ قرآن

حکیم کے نسخے بھیجتا ہے، تو اس سے بھی کوئی خطرہ نہیں ہے، لیکن انہوں نے کہا کہ زیادہ خطرہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ اگر ایران کا اثر اس میں زیادہ ہو، لیکن اس اثر کو رفع کرنے کے لئے یہ بات ضروری ہے کہ اگر شیعہ اور سنی کے معاملے کو اٹھایا جائے تو پھر ایران کی رکاوٹ کی جا سکتی ہے، لیکن انہوں نے کہا کہ اس سے بھی زیادہ یہ بات خطرناک ہو گی اگر افغانستان کے اندر حالات setile ہو جاتے ہیں اور چونکہ افغانستان کی بارڈر ان باقی ریاستوں کے ساتھ کافی ملتی ہے، لہذا اس کے اثرات ان پر بہت زیادہ ہو سکتے ہیں۔

اس کے بعد انہوں نے کہا کہ سب سے زیادہ پاکستان کی طرف نگاہ رکھنے کی ضرورت ہے۔ اسی سلسلے میں انہوں نے کشمیر کا ذکر بھی کیا ہے اور کہا ہے کہ اگر کشمیر آزاد ہوتا ہے یا پاکستان کے ساتھ ملتا ہے اور پھر حالات settle ہونے کے بعد یہ سارے خطے کے اوپر اس کے اثرات پڑیں گے اور اسلامی revival اس علاقے میں ایسا ہو سکتا ہے کہ کل ہمیں ایک بہت بھیانک شکل میں اس کا مقابلہ کرنا پڑے گا۔ نتیجہ جو انہوں نے نکالا ہے وہ یہ ہے جناب چیئرمین !

Keep Afghanistan disturbed keep Afghanistan disturbed.

اور اس سے بات سمجھ میں آتی ہے کہ روس کی فوجوں کی واپسی کے باوجود وہاں کیا ہو رہا ہے، آج تک جو پالیسی اپنائی گئی ہے اس کے نتائج کیا نکلے ہیں۔ اسی لحاظ سے ہم یہ سمجھتے ہیں کہ روس کے حالات کا settle ہونا بہت ضروری ہے، اور جو بھی اس میں contribute کر سکے، خواہ فرد ہو، یا حکومتیں ہوں، ہمیں اس کو welcome کرنا چاہیئے ہیں۔ کسی ایک فرد، ایک گروپ کی حمایت کرنے کی بجائے ہمارے لئے تمام افغان سارے ہی ہمارے لئے مساوی طور پر اہم بھی ہیں اور عزیز بھی ہیں اور ہمیں ان سب کو ایک ہی طرح دیکھنا اور سمجھنا چاہیئے۔ اس لئے کوشش اس بات کی ہونی چاہیئے وہاں کے حالات اگر سنبھلیں گے نہیں، وہاں امن و امان قائم نہیں ہو گا، کوئی نہ کوئی settlement نہیں ہو گی تو افغانستان کے ڈسٹرب رہنے سے یہ جو سنٹرل ایشین اسٹیٹس ہیں ان کے پاکستان کے ساتھ اکنامک حالات بھی درست نہیں ہوسکتے۔سیاسی حالات میں بھی رکاوٹ ہو گی۔ افغانستان کا سب سے بڑا مسئلہ اس کی ری کنسٹرکشن ہے۔ وہ بھی نہیں ہو سکتا تو اس لحاظ سے یہ ایک "کی ایشو" ہے جسے حل کرنا بہت ضروری ہے۔

آپ نے دیکھا ہو گا اور اکثر حضرات نے یہ بھی پڑھا ہو گا اکنامسٹ جو رسالہ ہے، بڑا مقتدر رسالہ ہے۔ دنیا بھر میں پڑھا جاتا ہے۔ نہ صرف اکانومی کے لئے بلکہ پولیٹیکل حالات کے لئے بھی۔ دسمبر کے آخری ہفتے کا جو ایشو تھا اس ایشو کے اندر دو صفحے انہوں نے ایک کتاب کے ریویو کے لئے دیئے ہوئے ہیں اور وہ کتاب دو روسی intellectuals نے لکھی ہے۔ اس میں لکھا ہے۔ " to view back from history" اس میں انہوں نے کہا ہے اگلی اکیسویں صدی ہے وہ اسلام کے revival کی اور مسلمانوں کے ایک بہت بڑی طاقت بننے کی صدی ہو گی اور انہوں نے سارے ممالک کے حالات کو دیکھ کر یہ نتیجہ نکالا ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ ایک اتنی بڑی پاور بن سکتے ہیں کہ جو آج pillars of powers ہیں، جاپان ہے، یورپ ہے، امریکہ ہے، کل ان کا سامنا نہیں کر سکیں گے۔ یہ کوئی مسلمانوں کے حق میں نہیں لکھا گیا۔ یہ اس لئے نہیں لکھا گیا کہ مسلمان اس بارے میں کچھ کوششیں کریں اور آپس میں اتحاد پیدا کریں بلکہ انہوں نے کہا کہ یہ معاملہ اس لئے ہوا کہ مغربی جمہوریتوں نے بروقت اس خطرے کو دبانے کی کوشش نہیں کی اور اس کا مقابلہ نہیں کیا۔ اس کو وہیں پر ختم کرنے کی کوشش نہیں کی تو یہ ایک ماحول ہے جو پیدا کیا جا رہا ہے نہ صرف اس خطے کے لئے بلکہ عالمی سطح کے اوپر۔ یہی وجہ ہے کہ ایک سرے سے لیکر دوسرے سرے تک مسلمانوں کے اوپر ایک پریشر کا وقت ہے۔ خواہ ہندوستان کے اندر مسلمان ہوں یا کشمیری، اپنی جدوجہد میں بے پناہ قربانیاں دے رہے ہیں یا برما کے مسلمان ہوں یا بوسنیا کے مسلمان ہوں۔ آج تو بوسنیا ہے، کل کسوہ سربیا کا ایک حصہ ہے اس کے اوپر بھی یہی کیفیت ہونے والی ہے جہاں 90 فیصد مسلمان ہیں۔ ان میں سے 2 لاکھ مسلمانوں کو ملازمتوں سے برطرف کر دیا گیا ہے بغیر وجہ بتائے ہوئے۔ ان کے تعلیمی اداروں پر قبضہ کر لیا گیا ہے۔ ان کے کارخانوں پر قبضہ کر لیا گیا ہے اور گناہ کیا ہے صرف یہ کہ وہ مسلمان ہیں۔ اس صوبے کے البانیہ کے ساتھ بارڈر ملتے ہیں وہ یہ سمجھتے ہیں کہ کہیں ایسا نہ ہو یہ البانیہ کے ساتھ مل جائیں اور یہ نسلی طور پر چونکہ ایک ہیں لہذا یہ کیفیت نہ پیدا ہو جائے۔ لہٰذا آج سے یہ پریشر شروع ہو گیا ہے۔ یہ ساری کیفیت جو ہے وہ ہمارے عدم اتحاد کی وجہ سے ہے۔ اس میں باقی ممالک کے اپنے فرائض ہیں لیکن پاکستان کا اپنا فریضہ ہے اور پاکستان کوئی فریضہ بین الاقوامی سطح کے اوپر سرانجام دے سکنے کے قابل نہ ہو گا اگر وہ اپنے داخلی معاملات کو صحیح طریقے سے سنبھال نہ سکے۔

اس کے علاوہ صدر مملکت نے اپنے خطاب کے صفحہ 18 پر کشمیر کا تذکرہ کیا ہے۔
کشمیر کا معاملہ ایسا ہے جس کی تفصیل کی ضرورت نہیں ہے لیکن میں صرف اتنا کہہ سکتا ہوں بالکل ہمارے بارڈر اور پڑوس کے اوپر کیفیت یہ ہے کہ نوجوانوں کو گھروں سے نکال کر انہیں گولی سے اڑا دیا جاتا ہے۔ سڑکوں پر پھینک دیا جاتا ہے لیکن مجھے افسوس یہ ہے ہمارے ذرائع ابلاغ خاص طور پر ٹیلی وژن پتہ نہیں بیرونی ممالک سے خبروں کی اس ترتیب کو ہی نشر کر دیتے ہیں یا کوئی ایسے لوگ بیٹھے ہوئے ہیں جنہیں پتہ نہیں کہاں سے خبر ملتی ہے۔ اکثر آپ سات بجے کی انگریزی خبریں سنیں تو آپ کو یہ ترتیب نظر آئے گی کہ مجاہدین نے چھ سات آٹھ ہندوستانی سیکورٹی کے آدمیوں کو مار دیا ہے اور انہوں نے in retaliation 20 آدمی یا 30 آدمی مار دیئے۔ ایک تو یہ فگرز روز بروز دیتے رہتے ہیں ان کو اگر اکٹھا کیا جائے تو ایک لمبی فہرست بن جاتی ہے جو میں سمجھتا ہوں درست نہیں ہے اور وہاں کی سیکورٹی فورسز جو ظلم کر رہی ہے ان کا ہاتھ بٹانے والی بات ہے۔ اس ترتیب سے خبر نشر کرنا ان کے ایکشن کو justify کرنے والی بات ہے۔ انہوں نے یہ کیا اور انہیں نے in retaliation یہ کیا۔ یہ روز مرہ کا معمول ہے جو میں سمجھتا ہوں یہ کشمیریوں کے کاز کے لئے مناسب نہیں ہے اور دنیا بھر میں آپ لوگوں کے بیانات ہی سے آپ کے میڈیا سے لے کر ہندوستان فائلیں بنا کر اقوام متحدہ کے ارکان اور باقی لوگوں کو پیش کرتا ہے جیسے انہوں نے بابری مسجد کے بارے میں کیا۔ اس لحاظ سے میں سمجھتا ہوں اس بارے میں کوئی بہتر لائحہ عمل اختیار کرنا چاہیئے اور بیرونی دنیا میں کشمیر ایشو کو صحیح طور پر project کرے کیونکہ اخلاقی طور پر، قانونی طور پر کشمیریوں کی جو جدوجہد ہے، میں مشکور ہوں اور میں شکریہ ادا کرتا ہوں جرمنی کے چانسلر ہیلمٹ کوہل کا کہ انہوں نے خود بھارت کے اندر، باجود اپنے اقتصادی مفادات کے کھڑے ہو کر یہ کہا کہ کشمیر ایک متنازعہ معاملہ ہے اور اسے اقوام متحدہ کی قرار دادوں اور شملہ معاہدے کے تحت حل ہونا چاہیئے۔ اس سے پہلے بھی جرمنی کی حکومت نے بوسنیا کے معاملے کے اوپر بھی صحیح موقف اختیار کیا تھا۔ جرمنی ان ممالک میں سے تھا جس نے سب سے پہلے اس کو recognize بھی کیا تھا اور بعض ممالک جرمنی سے ناراض بھی ہوئے۔ اگر آپ نے recognize نہ کیا ہوتا تو ہم اس کو ختم کر دیتے، اس کا وجود بھی نہ ہوتا اور چند روز پہلے جرمنی کے چانسلر نے ہندوستان میں کھڑے ہو کر جو بیان دیا، جس کی جرات برطانیہ کے وزیر اعظم کو نہیں ہو سکی۔ وہ وہاں سے تو یہ کہتے آئے، ہم اس میں مصالحت کرنے یا arbitration کرنے کو تیار ہیں لیکن جب contracts sign ہوئے تو پھر اس کے بعد انہوں نے کہا اس میں ہم کچھ نہیں کر سکتے۔ اس میں ہندوستان پاکستان کو مل بیٹھ کر کچھ کرنا چاہیئے اور مل بیٹھ کر تو آج تک نہیں ہوا۔ جنگیں بھی ہوئیں، مذاکرات بھی ہوئے لیکن کچھ بھی نہیں ہوا کیونکہ ایک زیادہ طاقتور فریق، زیادہ بڑا وجود رکھنے والا فریق اس پر ناجائز طریقے سے قابض ہے۔ قابض فورسز کے خلاف لڑنا آزادی کے لئے کشمیریوں کا حق ہے اور اگر وہ disputed

territory ہے اوراس کا ابھی تک فیصلہ ہونا باقی ہے۔ اقوام متحدہ کی ایک نہیں کئی قرار دادوں کے لحاظ سے اور شملہ معاہدے کے اندر بھی یہی ہے تو پھر اگر disputed territory ہے تو وہ secessionist نہیں ہیں۔ وہ terrorists نہیں ہیں۔ وہ آزادی کے لئے لڑ رہے ہیں۔ اگر پرامن طریقے سے انہیں نہیں ملے گی تو اس کے علاوہ اور کیا راستہ ہے۔ لہٰذا ان کی اخلاقی امداد کرنا، ان کی سیاسی امداد کرنا، ان کی diplomatic امداد کرنا ہمارا فرض بنتا ہے۔ حکومت کے طور پر بھی انفرادی طور پر بھی اور افراد کے طور پر بھی۔

میں یہ تجویز کرتا ہوں کہ پارلیمنٹ کے ارکان پر مشتمل ایک کمیٹی کشمیر کے معاملات کے اوپر ترتیب دینی چاہیئے اور وہ چونکہ حکومت سے ہٹ کر ہو گی اور حکومت کے پاس جو ذرائع ہیں ان سے بھی استفادہ کر سکے گی۔ جو انفارمیشن ان کے پاس ہیں وہ بھی لے سکتی ہے۔ جو مختلف تجاویز نکلتی ہیں۔ چلیئے یہ حل نہیں ہے اگر plebiscite نہیں ہو سکتا تو پھر تقسیم ہے یا کوئی اور چیز ہے یا independence ہے۔ آئے روز یہ کوئی نہ کوئی شوشے نکلتے رہتے ہیں تو اگر پارلیمنٹ کے ارکان کے اوپر مشتمل ایک انتہائی نازک قومی مسئلے کے اوپر یہ کمیٹی بنتی ہے تو اس کو یہ ساری فیڈ بیک فارن آفس بھی دے اور پھر اس کے بعد وہ خود بھی اپنے ذرائع سے ساری چیزوں کو سامنے رکھ کر ایک صحیح response کے لئے حکومت کو بھی ایڈوائس کر سکتی ہے اور پھر جو بڑا فریضہ ہے، دنیا کے اندر جو مختلف پارلیمنٹس ہیں ان کے اندر بھی اپنے تعلقات کی بنا پر مختلف دوروں کے مواقع کے اوپر وہ مختلف پارلیمنٹوں کے ارکان، پالیسی ساز جو ادارے ہیں، ان کے ضابطوں کے ذریعے سے بھی ہم لوگ یہ کوشش کر سکتے ہیں کہ وہاں پر بھی کشمیریوں کی آواز صحیح طور پر پہنچائیں کیونکہ موجودہ کیفیت یہ ہے۔ ہندوستان نے تمام راستے بند کر دیئے ہوئے ہیں۔ ہندوستان نے کوئی بیرونی امداد کا راستہ، کوئی انفارمیشن کا راستہ، کوئی کسی مشن کا راستہ نہیں چھوڑا وہ سارے راستے بند ہیں۔ اس کے خلاف کوئی رد عمل نہیں ہے۔ پوری دنیا میں ہندوستان اپنی جو ٹریڈ پوٹینشل ہے اس کو استعمال کر رہا ہے۔ لیکن اس کے باوجود اس بات کی گنجائش موجود ہے کہ اگر دنیا کو یہ سمجھایا جائے کہ مسئلہ کیا ہے اور کشمیریوں پر ہی ظلم کیوں ٹوٹ رہا ہے تو میرا ایمان یہ ہے کہ اس مسئلے کو سچائی اتنی ہے کہ وہ لوگ اس کو قبول کریں گے۔ لیکن جیسے میں نے ابتدا میں کہا آخر میں بھی یہی گزارش کروں گا کہ جب تک ہم اپنے داخلی معاملات درست نہیں کریں گے، سنجیدگی اور بالغ نظری کا مظاہرہ نہیں کریں گے، ایک دوسرے کو برداشت کرنے کی کیفیت پیدا نہیں کریں

گے تو پھر یہ معاملات داخلی، خارجی، حل نہیں ہوسکیں گے۔

جناب پریذائیڈنگ آفیسر: شکریہ۔ جناب اقبال حیدر صاحب۔

سید اقبال حیدر: شکریہ جناب چیئرمین! میں سمجھتا ہوں کہ اس وقت کافی طویل وقت ہو گیا ہے مناسب ہو گا کہ کل مجھے موقع دیں۔ آج چونکہ میں پرائیویٹ ممبرز ڈے کے لئے تیاری کر کے آیا تھا لیکن یہاں آکر پتہ چلا کہ صدر کے خطاب پر بحث ہے اور اس پر میں تیار بھی نہیں ہوں۔ وقت بھی کافی ہو گیا ہے لہٰذا کل صبح ہمیں موقع دیں تو مہربانی ہو گی۔

جناب پریذائیڈنگ آفیسر: نہیں یہ تمام ہاؤس کی consensus لے کر فیصلہ ہوا تھا کہ آج اس ڈیبیٹ کو وائنڈ اپ کرنا ہے۔

سید اقبال حیدر: چاہے سحری کیوں نہ یہاں کرنی پڑے۔

جناب پریذائیڈنگ آفیسر: چاہے کچھ ہو جائے اسے آج سمیٹنا ہے۔ تو آپ بسم اللہ کیجئے جی۔

سید اقبال حیدر: بہت شکریہ جی جناب چیئرمین! باوجود اس کے کہ موضوع زیر بحث پر میں تیار نہیں ہوں۔ میں کچھ نکات کی نشاندہی کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ ایک سیاسی کارکن کی حیثیت سے سیاسی معاملات کے اوپر تھوڑی بہت نظر ہماری ہر وقت رہتی ہے۔ سب سے پہلے تو میں یہ واضح کرنا چاہوں گا کہ اس تقریر کو جس کو کہ آپ صدر مملکت کا خطاب فرماتے ہیں، درحقیقت یہ حکومت کی پالیسی تقریر ہے۔ اس کا ایک ایک لفظ جو ہے وہ حکومت کا پیش کردہ لفظ ہے اور یہ الفاظ صدر کی زبانی ضرور ادا ہوئے ہیں لیکن اس کے معنی قطعاً یہ نہیں ہیں کہ یہ صدر کی اپنی رائے ہے یا ان کا اپنا مطمع نظر ہے۔ جیسا کہ موجودہ صدر مملکت، جب سینٹ کے چیئرمین تھے تو 1987ء میں صدر کے خطاب کے سلسلے میں ایک مسئلہ کھڑا ہوا تھا کہ صدرِ مملکت کا خطاب جو نہیں ہو سکا تھا کہ اس کی ذمہ داری آیا صدرِ مملکت پر عائد ہوتی ہے یا حکومت پر، تو ہفتہ دس دن تک صرف اس نکتے پر بحث ہوئی، تو موجودہ صدر مملکت جناب غلام اسحاق خان نے بحثیت

چیئرمین سینٹ یہ فیصلہ سنایا جو کہ آپ کی کتاب Decisions of the Chair میں موجود ہے کہ یہ حکومت کی ذمہ داری ہے۔ حکومت کے الفاظ ہوتے ہیں جو کہ صدر مملکت کی زبانی ادا ہوتے ہیں اور تقریر کا متن تک تیار کرنا اور تقریر کیلئے بھیجنا، صدر مملکت سے تقریر کروانا، یہ تمام تر حکومت کے مشورے پر ہوتا ہے۔

اس لئے میں یہ کہوں گا کہ جو کچھ بھی اس تقریر میں کہا گیا ہے اس کا مورد الزام بھی صدر کو نہیں ٹھہراؤں گا اور اس کا کریڈٹ بھی میں صدر کو نہیں دوں گا اور اس کا مکمل تعلق صرف اور صرف حکومت پر ہے اور حکومت کو ہی میں مورد الزام یا تحسین کے قابل سمجھتا ہوں۔ اگر کوئی قابل تحسین بات انہوں نے کی ہو۔ جناب چیئرمین مجھ سے پیشتر زیادہ تر مقررین نے افہام و تفہیم کی ضرورت پر زور دیا ہے۔ اور اس تقریر کا آغاز بھی انہی جذبات سے ہوتا ہے کہ پاکستان میں جمہوریت کے لئے جدوجہد کی تاریخ تو بہت طویل رہی مگر جمہوریت خود ابھی نوخیز ہے۔ قوم نے ہمیشہ جمہوریت ہی کو اپنی منزل سمجھا لیکن منزل پر پہنچنے کے باوجود بھی گاہے گاہے اس کے قدموں میں لغزش، دل میں بداعتمادی، ذہن میں وسوسے جنم لیتے رہے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ جمہوریت ہمارے لئے اب تک محض ایک نظام حکومت ہے طرز حیات نہیں۔ ابھی ہمارے ہاں وہ کلچر پیدا نہیں ہوا جو رواداری، برداشت،۱ فراخدلی اور باہمی احترام سے عبارت ہو۔

آگے چل کر تقریر میں لکھا ہے بسا اوقات ذاتی عناد اور جماعتی مفادات پر ترجیح دی اور اکثر بحث و تمحیص میں گفت و شنید اور افہام و تفہیم کے سنہری اصولوں کو بالائے طاق رکھ کر محاذ آرائی کی راہ اپنائی ہے۔ میرا یہ جملے پڑھنے کا مقصد صرف اور صرف یہ ہے کہ اس رائے میں تو کوئی اختلاف ہے ہی نہیں کہ جمہوریت کے پنپنے کے لیئے اور اداروں کو موثر انداز میں چلنے کے لئے اپوزیشن اور حزب اقتدار میں ایک working understanding ہونی چاہیئے اور تب ہی ایک فعال اور موثر طریقے سے پارلیمانی نظام حکومت چلایا جا سکتا ہے۔ اس کے بغیر یعنی working understanding کے بغیر پارلیمانی نظام حکومت کامیابی سے چلانا ناممکن نہیں تو دشوار ضرور ہے۔ اس میں تو کوئی دو رائے نہیں ہیں۔ تمام تر ملک کے دانشور اور امن پسند شہری بار بار اس ضرورت پر زور دیتے ہیں کہ افہام و تفہیم کی فضا ہو، محاذ آرائی ختم ہو لیکن مجھے شکایت صرف یہ ہے جناب چیئرمین! کہ کوئی یہ نہیں بتاتا کہ اس محاذ آرائی کا ذمہ دار کون ہے۔ پہلا پتھر آخر پھینکا کس

نے ہے - یہ جرم اور محاذآرائی کا ارتکاب کس نے کیا بلکہ میں تو یہ کہوں گا کہ پہلے پتھر پھینکنے والے کے تشخص کا ہی نہیں ہے مسلسل پتھروں کی بارش کس طرف سے آ رہی ہے۔ مسلسل محاذ آرائی کس جانب سے کھڑی کی گئی ہے، شروع کی گئی ہے اور انتقامی کارروائیوں کا سلسلہ کس جانب سے شروع ہوا ہے۔ کیا یہ فرض نہیں بنتا صدر مملکت کا بھی اور ان تمام دانشواروں کا اور ان تمام جمہوریت کے مخلص دوستوں کا اور ان تمام سبق دینے والوں کا اور اخبار والوں کا کہ وہ یہ بھی نشاندہی کریں کہ جناب محاذ آرائی فلانی طرف سے شروع ہوئی ہے، بتائیں کہ ہمارے لوگ گرفتار ہوئے۔ جناب چیئرمین! مجھے فخر ہے کہ ابھی تک میرا ایک بھی کارکن دوسال کے عرصے کے بعد بھی convict نہیں ہو سکا۔ جھوٹے مقدمات بنائے گئے۔ کیا یہ محاذآرائی نہیں تھی کہ میرے ایم پی اے حضرات کو اغواء کیا جائے؟ میرے لیڈران کو جھوٹے مقدمات میں ملوث کر کے بار بار ان کو جیلوں میں رکھا جائے، کیا یہ محاذ آرائی نہیں تھی کہ یکطرفہ احتسابی عمل شروع کیا جائے۔ اور سب سے بڑی محاذ آرائی کیا یہ نہیں تھی کہ ایک منتخب حکومت کو 6 اگست 90 کو بیک جنبش قلم قتل کر دیا گیا۔

جناب یہ کہہ دینا تو بڑا آسان ہے کہ محاذ آرائی نہیں ہونی چاہیئے لیکن یہ بے اصولی اور بددیانتی ہو گی اور یہ جمہوریت کے ساتھ بھی ظلم ہو گا اگر ان عوامل اور ان اقدام کی نشاندہی نہ کی جائے۔ جن کی بنا پر محاذ آرائی کی فضا اس ملک میں بڑھی اور جس بنا پر محاذ آرائی بڑھی اور مزید فروغ ملا اور دیا جاتا رہا۔ کیا محترمہ بے نظیر بھٹو نے صرف اور صرف ایک symbolic gesture کے طور پر
Chairmanship of the standing committee of the National Assembaly
کو قبول کیا۔ صرف اور صرف یہ بتانے کے لئے کہ میں محاذ آرائی کے حق میں نہیں ہوں، اس کے صلے میں کیا ملا کہ فوراً ہی مزید ایک اور ایم پی اے علی محمد ہنگورو کو زیر حراست لے لیا اور ٹارچر کر کے اس سے یہ بیان دلوایا کہ جناب میں اپنی سیاسی وفاداریاں بدل رہا ہوں۔ مجھے اعتراض نہیں ہوتا اس کے اس بیان پر اگر علی محمد ہینگورو آزاد شہری کے حیثیت سے، اپنی مرضی کی حیثیت سے بیان دیتا۔

جناب چیئرمین! آپ کو تو خود معلوم ہے کہ کیا کسی قیدی کو پریس کانفرنس کرنے کا حق ہے۔ کون سے قانون میں کسی کو حق ہے۔ کسی قانون میں

کسی قیدی کو پریس سٹیٹمنٹ دینے تک کا حق نہیں ہے تو پھر یہ پریس کانفرنس کرنے کا حق کہاں۔ اسی علی محمد ہنگورو کو جس کو کہ پچھلے دو سال کے اندر چھ دفعہ سے زیادہ گرفتار کیا گیا اور سات آٹھ قتل کے مقدموں میں ملوث کیا گیا۔ وہ جب گرفتاری کے دوران سے اسے ہسپتال میں لایا جاتا ہے۔ ہسپتال میں صحافیوں کو پیش کیا جاتا ہے۔ صحافیوں کے سامنے اسے یہ بیان torture to defect میں کہوں گا کہ اس کو ایضاء پہنچا کر مجبور کیا گیا کہ تم سیاسی وفاداریاں بدلو۔

اس جنوری کا واقعہ ہے جناب چیئرمین! کیا یہ محاذ آرائی کی انتہا نہیں۔ کون ہے اس کا ذمہ دار؟ ایک طرف تو کہا جاتا ہے کہ پیپلزپارٹی کی حکومت نے ہارس ٹریڈنگ کی تھی۔ جناب چیئرمین ! دوسری جانب کھلم کھلا، ایک غیر نمائندہ، غیر منتخب، سندھ کی حکومت کو سندھ کے عوام پر زبردستی تھونپا گیا ہے اور مسلسل ہارس ٹریڈنگ کا عمل چل رہا ہے۔ اس کے یہ دوہرے معیار کب تک رہیں گے۔ راجہ صاحب! آپ بڑے افضل، بڑے قابل ہیں۔ (چلے گئے وہ اپنی تقریر کرکر)۔ ان کا آخری جملہ میرے کانوں میں گونج رہا ہے۔ کیا آپ واقعی دیانتداری سے چاہتے ہیں کہ اس ملک میں افہام و تفہیم ہو۔ اس ملک میں انتقامی کارروائیوں کا سلسلہ ختم ہو۔ کیا آپ واقعی چاہتے ہیں کہ یہاں پر جمہوریت اور جمہوری ادارے، امن و امان، افہام و تفہیم کے ساتھ موثر انداز میں کام کر سکیں، کہ عوام کے سامنے ہمارا تمسخر نہ اڑایا جائے۔ کیا جنگ اخبار، کیا ڈان اخبار، مسلم اخبار یہ تمام اخبارات جو کہ ہمیں درس دے رہے ہیں کہ افہام و تفہیم ہو، کیا وہ دیانتداری سے خواہاں ہیں (اگر ایسا ہے) تو ان پر لازم ہے کہ ان افراد کی نشاندہی کریں۔ جنہوں نے پتھراؤ کیا۔ جنہوں نے محاذ آرائی کی۔ اور ان کی نہ صرف نشاندہی کریں، ان کی مزمت کریں، اور ان کے خلاف آئین اور قانون کے مطابق فوری طور پر اقدام اٹھانا بھی ان کا فرض ہے۔ اگر وہ دیانتداری سے محاذ آرائی کے خلاف ہیں۔

یہ میرا اہم نکتہ ہے اپنی مصروفیات کا کیونکہ سپریم کورٹ نے ابھی گزشتہ سال اکتوبر میں بھی یہ فیصلہ دیا کہ ہارس ٹریڈنگ جو تھی وہ صدر مملکت نے الزام لگایا تھا پیپلز پارٹی کی حکومت پر کہ وہ ہارس ٹریڈنگ میں ملوث ہوئی تھی۔ تو وہ ہارس ٹریڈنگ تو واقعی بڑی بدترین لعنت ہے۔

It destroy the normative structure of the parliament

یہ سپریم کورٹ کا اکتوبر کا فیصلہ ہے کہ ہارس ٹریڈنگ سے پوری جمہوریت کا چہرہ مسخ ہو جاتا ہے۔ It becomes a mockery of democracy- میں پوچھتا ہوں کہ آج یہ جو ہارس ٹریڈنگ ہو رہی ہے۔ کیا صدر مملکت کو، کیا اقتدار پر قابض

افراد کو نہیں نظر آرہی ہے یہ ہارس ٹریڈنگ، انہیں لاقانونیت، یہ ظلم و تشدد، یہ کرپشن اور یہ ٹارچر اور یہ جھوٹے مقدمات اور یہ آئین کی خلاف ورزیاں کیا آج نظر نہیں آ رہی۔

میں یہ کہتا ہوں کہ یہ بیانات یہ صرف لفاظی ہے عوام کو گمراہ کرنے کی۔ اور موجودہ حکمران دیانت داری سے افہام و تفہیم میں بالکل دیانتدار نہیں ہیں جس کی وجہ سے آج بھی میرے سندھ کے اندر مکمل طور پر ایک غیر نمائندہ حکومت ہے۔ نہ وہ اردو بولنے والوں کی نمائندہ حکومت ہے۔ نہ وہ سندھی بولنے والوں کی نمائندہ ہے۔ اور اس کو زبردستی ٹھونپا گیا ہے۔ کہتے ہیں لاقانونیت کم ہوئی ہے۔ کہا گیا کہ آرمی آپریشن کے بعد قانون کی حکمرانی اور لاقانونیت کے دہشت گردی کے واقعات کو کم کرنے میں بڑی کامیابی ہوئی۔ میرا یہ سوال ہے مختصر کرتا ہوں جناب چیئرمین! میرا صرف یہ سوال ہے کہ اگر ایک جانب سے تو یہ دعوے کئے جا رہے ہیں کہ قانون کی صورت حال بہتر ہوئی ہے، امن و امان کی صورت حال بہتر ہوئی ہے، دوسری جانب سے غیر معینہ مدت تک افواج پاکستان کو سندھ میں رکھنے کے کیا معنی؟ کیا امن و امان کی صورت حال ابھی تک بہتر نہیں۔ اتنی تسلی بخش نہیں ہوئی کہ افواج پاکستان کو اس اہم اور غیر معمولی اور extra ordinary رول سے دستبردار کیا جائے۔ اس میں افواج پاکستان کی ناکامی کا مسئلہ نہیں ہے۔ مسئلہ یہ ہے جناب چیئرمین! کہ مسلسل افواج پاکستان جن کو سول ایڈمنسٹریشن کی مدد کے لئے سندھ میں بھیجا گیا ہے ان کو اختیار نہیں ہے کہ وہ کسی کو گرفتار کر سکیں۔ حکومت میں شامل وزراء، مشیر اور اقتدار پر قابض افراد کے قریبی عزیز اور رشتہ دار، بار بار اخبارات میں رپورٹیں شائع ہو چکی ہیں، کہ وہ انتہائی گھناؤنے جرائم میں ملوث ہیں۔ ریپ کے کیسز میں ملوث ہیں۔

Kidnapping for ransom cases

میں ملوث ہیں۔ کاروں کی چوری کے کیسز میں ملوث ہیں۔ قتل کے کیسز میں ملوث ہیں۔ ہیروئین فروشی میں ملوث ہیں۔ اسلحہ کی فروخت میں ملوث ہیں اور افواج پاکستان کو یہ کہا جاتا ہے کہ خبردار! ان کو ہاتھ نہیں لگانا۔ یہ افواج پاکستان نے مسلسل اپنے اخبار کی بریفنگ میں بھی کہا۔ آپ ایک انسٹی ٹیوشن افواج پاکستان کو کیوں بدنام کر رہے ہیں۔ افواج پاکستان کو کیوں بدنام کر رہے ہیں۔ ان کو روک کر، ان کے ہاتھ روک کر، ان کو منع کر کے کہ خبردار اس کو مت گرفتار کرنا۔ یہ تو ہمارا سندھ کا وزیر ہے۔ خبردار فلانے کو گرفتار مت کرنا۔ یہ تو ہمارا وفاقی

وزیر ہے، خبردار اس کو مت گرفتار کرنا- یہ تو ہمارا بلوچستان کا وزیر ہے- خبردار اس کو گرفتار کرنا یہ تو فلانے کا داماد ہے- خبردار اس کو مت گرفتار کرنا یہ تو ہمارا مشیر ہے- خبردار اس کو مت گرفتار کرنا یہ تو ہماری سندھ کی حکومت گورنمنٹ کا ally ہے اس کے بغیر سندھ کی حکومت ٹوٹ جائے گی- بار بار یہ کہا جاتا کہ اس سے افواج پاکستان کی بھی توہین کی جا رہی ہے-

ایک اہم نکتہ ہے جناب چیئرمین! افواج پاکستان کو استعمال کرنے کے بعد اگر حکومت پھر بھی دہشت گردی اور لاقانونیت کو کنٹرول نہیں کرسکتی- خدانخواستہ! تو اس سے ایک بڑا ہی خطرناک رجحان اور نکتہ نکلتا ہے اور وہ یہ ہے کہ دہشت گرد اور ڈاکو اور جرائم پیشہ افراد جو کہ ان گھناؤنے جرائم میں ملوث ہیں ان کے حوصلے مزید بلند ہوتے ہیں- وہ کہتے ہیں کہ دیکھو افواج پاکستان نے آ کر بھی ہمارا کیا بگاڑ لیا- آ گئیں افواج پاکستان دیکھو ہم ابھی بھی آزاد ہیں- ہم اب بھی اغوا کر رہے ہیں- ہم اب بھی گاڑیاں چرا رہے ہیں- ہم اب بھی قتل کر رہے ہیں- ہم اب بھی بم کے دھماکے کر رہے ہیں- کیا اس سے آپ ان جرائم پیشہ افراد کی حوصلہ افزائی نہیں کر رہے-

جناب پریذائیڈنگ آفیسر: مسٹر اقبال حیدر- پلیز! پلیز mind your time please

سید اقبال حیدر: میرا یہ کہنا جناب چیئرمین! سندھ کا مسئلہ بڑا اہم ہے- سندھ میں افواج پاکستان کی موجودگی کے بڑے خطرناک نتائج نکل رہے ہیں- اور صرف اِس لئے نکل رہے ہیں چونکہ افواج پاکستان کو کھلی اجازت نہیں ہے کہ وہ ہر دہشت گرد، ہر ڈاکو، ہر زانی، ہر قاتل، ہر جرائم پیشہ فرد کو بلا کسی امتیاز و تشخیص گرفتار کر سکے- اس کو یہ اختیار جب تک آپ نہیں دیں گے اس وقت تک سندھ میں اور پاکستان میں امن و امان نہیں ہو گا- اور اس سے آپ پاکستان کے ایک اہم ترین ادارے کو بدنام کرنے کا موجب ہیں- موجودہ سندھ کی حکومت اور وفاقی حکومت- چونکہ وفاقی حکومت کے کہنے پر افواج پاکستان گئی ہیں- یہ بہت ہی سنگین اور سنجیدہ معاملہ ہے-

Mr. Presiding Officer: You have completed your time.

سید اقبال حیدر: اور ہاں دوسرا ہے کہ دولت کی ریل پیل- ایک تو انتخابی امیدواروں کی اہلیت اور دوسرا دولت کی بل بوتے پر انتخابات کی Hi-jaking میں یہ کہتا ہوں ایک طرف تو یہ کہا جاتا ہے کہ دولت کا استعمال نہ ہو لیکن کتنی مضحکہ خیز بات ہے کہ اسی حکومت نے قانون میں عائد وہ پابندی کہ وہ کوئی امیدوار اتنے لاکھ سے زیادہ خرچ نہ کر سکے- اس پابندی کو اسی حکومت نے آ کر ہٹایا- یہ کیا، یہ کیا مطلب ہے، تضاد ہے، مضحکہ خیز تضاد ہے، ایک بات- دوسری بات یہ کہ بے جا ہاں اسی طرح انتخابات میں دولت کے بے محابا اصراف کو روکنے اور اخراجات کو مناسب حد میں رکھنے کے لئے کوئی تسلی بخش قانونی اور انتظامی ڈھانچہ موجود نہیں ہے- میں سمجھتا ہوں ایک تو قانون تھا اس پر عمل منظور نہیں تھا حکمرانوں کو اس لئے انہوں نے اس قانون ہی کو بدل دیا-

انتظامی ڈھانچہ سارے ممالک میں ہے- میں ابھی برطانیہ اور فرانس کے ممالک کے پولیٹیکل پارٹیوں کی ورکنگ کا معائنہ کر کے آیا ہوں آپ کو یہ جان کر خوشی ہو گی کہ وہاں پر حکومت نے ایک فاؤنڈیشن بنائی ہوئی ہے فرانس میں بھی اور انگلینڈ میں بھی- ایک فاؤنڈیشن بنائی ہوئی ہے جو کہ تمام پولیٹیکل پارٹیوں کو فنڈز پروائیڈ کرتی ہے ان کے ممبرز کی بنیاد پر ممبر شپ کی بنیاد پر اور ان کی سیٹوں کی بنیاد پر اور انہیں تمام تر مواقع دیتی ہے وہاں. کی حکومت کہ آپ نے اگر اپنا جلسہ کرنا ہے یہ جلسہ ہمارے district council کے ہال میں کریں- جتنے مرضی آئے جلسے کریں- حکومت انہیں جلسہ گاہیں فراہم کرتی ہے- حکومت ان کے تمام انتخابی اخراجات میں ان کی مدد دیتی ہے- حکومت سیاسی جماعتوں کو فنڈ مہیا کرتی ہے- کہ آپ اپنا لٹریچر چھاپیں- آپ اپنا سکرٹریٹ چلائیں- آپ اپنے پروگرام اور منشور کی تشہیر اور پبلسٹی کریں-

جناب! اگر حکومت دیانتداری سے دولت کی ریل پیل کو اور یہ نہیں چاہتی کہ ہیروئین مافیا اور ڈرگ مافیا اور آرمز مافیا اور یہ ڈاکوؤں کی مافیا کے ہاتھوں جمہوریت hijack نہیں ہو تو ان پر فرض ہے کہ بڑے آرام سے ایک ڈھانچہ بنائیں- ایک فاؤنڈیشن ہمارے ملک میں بھی بنائیں اور اچھی روایتیں قائم کریں- ایک جگہ مقرر فرما دیں کہ جناب یہ جگہیں ہیں- ہر شہر میں اتنے مقامات ہیں جن پر کہ

حکومت کے خرچ پر آپ اپنے جلسے کر سکتے ہیں پرامن انداز میں تو جناب کوئی امیدوار کو بڑے لمبے چوڑے خرچے کی ضرورت نہیں پیش آئے گی۔ یہ ایک نکتہ تھا۔ دوسری بات یہ ہے - جناب چیئرمین یہ monetary policy کے اوپر ....

(مداخلت)

جناب پریذائیڈنگ آفیسر: آپ ٹائم سے اوپر جا رہے ہیں مہربانی کر کے ختم کریں۔

سید اقبال حیدر: بس میں آخری جملہ کہہ رہا ہوں monetary policy کے اوپر بڑے بلند و بانگ دعوے کئے گئے اس حکومت نے۔ ایک میرا ان سے سوال ہے،اس کی monetary policy اگر اتنی ہی اچھی ہے، فنانسز کا کنٹرول اتنا اچھا ہے تو آپ کا revenue collection اتنا کم کیوں ہے ایک۔ آپ کے non-developmental expenditure from the budgeted figures سے زیادہ کیوں ہے۔ تیسرا آپ 500 سو ملین روپے per day کی borrowing پھر کیوں کر رہے ہیں۔ شکریہ بہت بہت شکریہ۔

جناب پریذائیڈنگ آفیسر: شکریہ اقبال حیدر صاحب۔

سید اقبال حیدر: کیا کروں چیئرمین کا میں احترام کرتا ہوں اور انکے فیصلے اور انکی خواہشات کو مد نظر رکھتا ہوں۔

جناب پریذائیڈنگ آفیسر: شکریہ مسٹر اقبال حیدر۔ میرے خیال میں ابھی تو کوئی اور مقرر نہیں ہے یا کسی نے بولنا ہے۔ اب تو میرے خیال میں آپ کا نام تو نہیں تھا۔ لالیکا صاحب جی جناب۔ آپ بولنا چاہتے ہیں لالیکا صاحب آپ پھر بولیئے دس منٹ بولیئے۔ دس منٹ کی اجازت دیتا ہوں۔

(مداخلت)

جناب پریذائیڈنگ آفیسر: دس منٹ کی آپ کو اجازت دیتا ہوں۔

میاں عالم علی لالیکا: شکریہ جناب چیئرمین! آپ نے مجھے موقع عطا فرمایا۔ میں 1988 میں سینٹ میں ممبر بن کر آیا تھا۔ 88ء کا سال تو میں نے دیکھا - 1889ء میں میں نے رینگنا شروع کیا اور 91ء اور 92ء میں صدر صاحب کے خطابات پر دل کھول کر تبصرے کئے اور جو کچھ سمجھ میں آیا کہا اور کچھ کہہ سکا اور کچھ نہ کہہ سکا۔ جناب والا! ایک چیز جو 88ء سے سنتا آرہا ہوں وہ یہی ہے جو میرے محترم بھائی اقبال حیدر صاحب نے فرمائی کہ صدر صاحب کی پارلیمنٹ ہاؤس میں جو تقریر ہوتی ہے وہ حکومتی پالیسی کی مظہر ہوتی ہے یا ان کی اپنی جانب سے ایک واضح اشارہ یا پالیسی سٹیٹمنٹ ہوتا ہے۔ اب ایسی بات پر آج تلک 93-1992ء تک فیصلہ نہیں ہو سکا اور وہ بات اسی طرح چلتی آ رہی ہے۔ کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ پالیسی سٹیٹمنٹ ہے یا حکومت نے تیار کر کے دی ہے جس طرح آپ نے فرمایا کہ Decisions of the Chair میں بھی یہ بات موجود ہے، مجھے یاد ہے کہ جنرل ضیاء الحق صاحب کو میں نے سنا تھا۔ انہوں نے فرمایا تھا کہ اگر صدر صاحب نے rubber stamp ہی بننا ہو تو پھر اس عہدے کو رکھنے کا فائدہ کیا ہے بلکہ میں آج تک یہ نہیں سمجھ سکا یہ تقریر کیا ہوتی ہے اور کیسے ہوتی ہے اور کس طرح ہوتی ہے۔ میں اس بارے میں تمثیل عرض کرنا چاہوں گا کہ میرے حلقے میں ایک شخص نے غلط گواہی کسی انتقال میں دے دی تھی اور اس پر متاثرہ فریق نے جب جرح کی تو گواہ نے نہ تو انتقال دہندہ کی شکل دیکھی ہوئی تھی نہ اس کے نام سے واقف تھا۔ تو جب گواہ سے دوران جرح اس کی قدوقامت پوچھی تو اس نے کہا کہ جناب نہ کوتاہ تھا نہ پست بس درمیانہ تھا، جسامت پوچھی تو کہنے لگے نہ دبلا تھا نہ فربہ تھا ملتا جلتا تھا، بال پوچھے گئے تو کہنے لگے کالے تھے اور سرخ بھی تھے اور سفید بھی دیکھے ہیں میں نے اور جب عمر پوچھی تو کہنے لگا بچوں میں بچہ لگتا ہے اور بوڑھوں میں بوڑھا۔ تو وکیل صاحب نے جب یہ پوچھا کہ بھئی اس کے دانت بتا دو۔ وکیل صاحب کو بھی یہ یقین تھا کہ انہوں نے اس کی شکل بھی نہیں دیکھی ہوئی کہ اس کے منہ میں کوئی دانت ہے یا نہیں۔ تو گواہ بڑا زیرک تھا یا شاید ہچکولے لگنے سے زیرک بن گیا تھا۔ اس نے یہ کہا کہ جناب والا! اگر وہ دانت اسکے قدرتی تھے تو واہ واہ سبحان اللہ وارے جائیں خداوند تعالیٰ کی صناعی کے اور اگر وہ ڈاکٹر کے بنائے ہوئے تھے تو ڈاکٹر صاحب کی کمال ہے تو جناب انکی کاریگری کے وارے وارے جائیں۔ میں بھی آج یہی بات کہوں گا کہ اگر یہ تقریر حکومت کی جانب سے بن کر آئی ہے تو واہ واہ واہ حکومت

کے اور اگر جناب صدر صاحب کی طرف سے یہ کوئی واضح اشارہ ہے تو سبحان اللہ واہ واہ ان کے۔

بہرکیف ان سب چیزوں کے باوجود کچھ چیزیں محسوس کرتا ہوں۔ جناب وزیراعظم صاحب نے آٹھویں پانچ سالہ منصوبہ کے بارے میں ایک کھانے پر فرمایا تھا کہ آٹھواں پانچ سالہ منصوبہ پارلیمنٹ میں سے گزرے گا۔ یہ میری جانب سے ایک بزرگ کی بتائی ہوئی حقیر سی تجویز تھی کہ چند ایک معیشت کے دانا لوگ بیٹھ کر ملک کی تقدیر کا پانچ سال کے لئے فیصلہ ثبت کر دیتے ہیں اور ہم 87 ممبران سینٹ اور 217 ممبران قومی اسمبلی چھکتے سسکتے رہ جاتے ہیں۔ تقدیر کے فیصلے ہمارے ہو چکتے ہیں۔ Priorities ہماری وہ بنا چکتے ہیں۔ اس بات پر وزیراعظم صاحب نے یہ فیصلہ فرما دیا تھا سرتاج عزیز کے اختلاف کے باوجود کہ آٹھواں پانچ سالہ منصوبہ parliament میں سے گزرے گا۔ مانیں یا نہ مانیں کم از کم ہماری بات سن تو لیں۔ بسا اوقات جناب والا! ایسا بھی ہوتا ہے کہ دیوانہ بھی کچھ عقل کی بات کر جاتا ہے اور دیوانوں ہی سے عقلمندوں کی شناخت ہوتی ہے۔ بہرکیف مجھے افسوس ہوا ہے کہ میں نے آج اخبار میں پڑھا ہے کہ آٹھواں پانچ سالہ منصوبہ Economic Council کو پیش کر دیا گیا ہے اور زرعی ٹیکس کی تجویز بھی اس میں شامل کر دی گئی ہے۔ مجھے پھر وہ یاد آ جاتا ہے وہ شعر کہ

نام لیتے ہیں گالیوں میں میرا
شکر ہے تکیہ کلام تو ہوں

زرعی ٹیکس ہمارے لئے ایک گالی ہے۔ زراعت پیشہ لوگوں کے لئے ایک گالی ہے۔ دریں حالیکہ حکومت پنجاب نے (صوبہ پنجاب جو کہ اس ملک کا ایک بڑا صوبہ ہے) مرکزی حکومت کی زرعی پالیسی کو یکسر مسترد کر دیا ہے۔ اس نے جامع اور مکمل رپورٹ پیش کی ہے جس میں اس نے یہ کوائف اور حقائق سے اور اعداد و شمار سے ثابت کیا ہے کہ زراعت ایک ایسا شعبہ ہے جس میں اس وقت سب سے زیادہ ٹیکس لگتا ہے۔ جس کو سب سے کم سبسڈی ملتی ہے، جس پر حکومت کی توجہ سب سے کم ہے اور صدر صاحب کے اس خطاب میں جو 23 صفحات پر مشتمل ہے زراعت کا ذکر صرف دو جگہ ہے۔ متحیر ہیں جناب والا! کہ 75 فیصدی آبادی زراعت پیشہ ہے، ملک کی معیشت زرعی ہے، زراعت ملک کی

ریڑھ کی ہڈی ہے لیکن خدا معلوم کیا ہو جاتا ہے ان ایوانوں میں پہنچ کر، ان منصبوں پر فائز ہو کر ہم اس بات کو بھول جاتے ہیں جو ہمارا اوڑھنا بچھونا ہے۔

جناب والا! آئی ایم ایف کے قرضوں کے بارے میں بات ہوئی ہے۔ اب آئی ایم ایف والے قرضہ تو دیتے ہیں کہ بھئی یہ چالیس ہزار ، لاکھ روپیہ، کروڑ روپیہ دیتے ہیں، امداد کی شکل میں اس سے تم نے بچی کی شادی کرنی ہے، اس سے تم نے یہ منصوبہ بنانا ہے لیکن کیا کہ اس میں ڈھول بجانے والے بھی میرے ہوں گے، اس میں دولہا بھی میرا ہو گا، اس میں دلہن بھی میری ہو گی، اس میں مٹھائی بھی میری ہو گی، قرضہ تم پر ہو گا، باقی سب کچھ مجھ پر ہو گا۔ جناب والا ! ہمیں تو رانا چندر سنگھ جیسا دلیر آدمی چاہیئے بطور وزیر معاشیات کے یعنی بطور وزیر خزانہ جو آئی ایم ایف والوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر یہ کہہ سکے کہ ہمیں تو تجویز کرتے ہو کہ سبسڈی واپس لے لو، ہمیں تو کہتے ہو کہ کھاد مہنگی کردو، ہمیں تو کہتے ہو کہ زرعی ٹیکس لاگو کر دو، تو اپنے گھر میں کیوں نہیں کرتے ہو۔ مجھے ان کی وہ تقریر یاد ہے جو انہوں نے منشیات کے بارے میں کی تھی کہ ہمارے کھیتوں کو اجاڑنے کا کہتے ہو، ہل چلانے کا کہتے ہو، اپنے گھر میں وہ کیمیکل بند کیوں نہیں کرتے ہو جس سے ہیروئین بنتی ہے؟ ہمیں جناب والا! شعبدہ باز قسم کا وزیر خزانہ نہیں چاہیئے، ہمیں رانا چندر سنگھ جیسا وزیر خزانہ چاہیئے جو حقیقت کو حقیقت کے آئینے میں دیکھے۔

جناب والا! میں دو اشعار میں عرض کروں گا ان حالات میں کہ صدر صاحب کا الیکشن شروع ہے، قبل از وقت شروع ہو چکا ہے اور گہما گہمی اور سیاستدانوں کے بیانات اخبارات کی زینت بنتے چلے جا رہے ہیں اور میرا تعلق ایک ایسی پارٹی سے ہے جس نے ابھی تک اس بارے میں کوئی اظہار خیال نہیں کیا اور وہ پبلک کی consensus کی منتظر ہے۔ میں یہ کہوں گا کہ

افسوس کہ بے شمار سخن ہائے گفتنی
خوف فساد خلق سے ناگفتہ رہ گئیں

جناب! ایک چیز اور میں نے بڑی عجیب نوٹ کی ہے کہ صدر صاحب کا خطاب پارلیمنٹ سے ہوتا ہے۔ اس پر بحث و تمحیث شروع ہو جاتی ہے آٹھ آٹھ

دن دس دس دن مجھ جیسے لوگ اس پر دیگران کی سمع خراشی کے باعث بنتے رہتے ہیں اور آج تو اتفاق سے وزیر قانون موجود ہیں، بسا اوقات وزراء نہیں ہوتے اور میں نے نوٹس لیتا ہوا تو وزیر کبھی دیکھا ہی نہیں- 90ء ، 91ء اور 92ء میں، میں نے یہ پریکٹس دیکھی ہے کہ جب سب لوگ ہم اپنا شور و غوغا کر کے تھک جاتے ہیں تو وزیر صاحب اٹھ کر کھڑے ہو جاتے ہیں- وہ کہتے ہیں جناب والا! یہ دیکھیں جی یہ جو لالیکا ہے، یہ تو جوشیلا ہے، یہ اقبال حیدر تو وکیل ہے اس کی تو عادت بولنا ہے، یہ جو عبداللہ شاہ صاحب ہے، اس کا تو آپ کو پتہ ہے، اس نے تو مخالفت کرنی ہی کرنی ہے، یہ جو حافظ حسین احمد صاحب ہیں تو ان کی خصلت ہے مخالفت کرنا، یہ عبدالرحیم خان مندوخیل کے تو خمیر میں مخالفت لکھی ہوئی ہے، یہ ان کا تو انداز ہی معاندانہ ہے، یہ ان کا تو رویہ ہی مخاصمانہ ہے، ان کا تو تلفظ ہی حاکمانہ ہے- 87 کے 87 ممبران کا منہ ، ہر چیز ختم کر کے ان کو برا بھلا کہہ کر اور پھر کہتے ہیں کہ جی آئیے قرارداد کی شکل میں پاس کریں- میں نے آج تک تین چار سالوں میں یہ نہیں سنا کہ وہ یہ کہیں کہ عالم علی تو بکواس کرتا ہے- یہ تو جوشیلا ہے- اس کے تو جوش میں عقل خارج ہو جاتی ہے- محمد علی خان ہوتی نے جو بات کہی ہے وہ بڑی پتے کی کہی ہے- اس کو ہم ضبط تحریر میں لے آئے ہیں- اس کو ہم پالیسی میں سمو دیں گے- آج تک چار سالوں میں، میں نے یہ بات نہیں سنی- یہ ہی سنا ہے کہ کوئی اندھا ہے، کوئی لولا ہے، کوئی لنگڑا ہے، کوئی کانا ہے، آؤ بھئی، سب لوگو مل کر قرارداد کی شکل میں پاس کرو، کیا بات بنی جی کیا قصہ ہوا جی؟ کیا کلاز ہے جی؟ یہ بہرکیف میں تو یہ کہوں گا-

پس بہار نظارہ میرا لہو تو رہے
میں بلا سے رہوں نہ رہوں گل کی آبرو تو رہے

شکریہ جناب!

جناب پریذائیڈنگ آفیسر: شکریہ لالیکا صاحب، چوہدری عبدالغفور-

چوہدری عبدالغفور: جناب چیئرمین! جیسا کہ طے ہوا تھا، میں شکر گزار ہوں کہ واقعی آج اس بحث کو سمیٹتے ہوئے، آج اس کو اختتام پذیر ہونا ہے-

لیکن جیسا کہ میں پہلے بھی چیئرمین صاحب سے عرض کر چکا ہوں کہ جس انداز میں آج کی تقاریر ہوئیں اور اس کو منتج کرنے کے لئے اور اس کو ختمی طور پر سمیٹنے کے لئے جو وقت مقرر ہوا تھا، بہت سا آگے نکل چکا ہے اور چوں کہ رمضان شریف ہے، ابھی تک ہماری باری تو اسی الزام میں کہ یہاں آ کر بیٹھے نہیں ہوں گے تو یہ اور جو نکات نہیں دہرائے جاتے اور نئے نکات آتے ہیں ان کو ہم باقاعدہ نوٹ کرتے ہیں تو گزارش یہ ہے کہ کم از کم ان تمام تقاریر کو جو بہت ہی پرمغز اور بہت ہی بہترین صلاحیتوں کے مالک حضرات نے یہاں کیں ان کو سمیٹنے کے لئے کم از کم مجھے ایک گھنٹہ درکار ہو گا۔ لیکن اس روزے کے ساتھ اور ابھی تک نماز بھی نہیں پڑھ سکے تو میں گزارش کروں گا کہ کل صبح اس کو شروع کر لیا جائے۔ پہلا گھنٹہ ہم اس پر صرف کر لیں گے۔ اس کے بعد باقی کام ہم شروع کر دیں گے۔ تو میری یہ گزارش ہے اگر فاضل ممبران اس پر اتفاق کریں۔

جناب عالم علی لالیکا: جناب والا! ہم تائید کرتے ہیں، ہم وزیر قانون کی تقریر ضرور سننا چاہیں گے اور دیکھیں گے کہ وزیر موصوف ہماری معروضات کو ضبط قلم میں لائے ہیں یا نہیں۔ ان پر ان کا ردعمل کیا ہے ضرور سننا چاہیں گے؟ اور اگر ایسا نہیں ہے تو یہ آٹھ دس دن ضیاع وقت ہوا۔

جناب پریذائیڈنگ آفیسر: تو فیصلہ یہ ہوا کہ کل .... جی منظور صاحب۔

جناب منظور احمد گچکی: جناب والا! کتنے دنوں سے یہ سن رہے ہیں کہ جی آج وائنڈ اپ ہو گا، کل وائنڈ اپ ہو گا۔ آج اتنے وقت تک جب ہم بیٹھے رہے ہیں تو آدھا یا پونہ گھنٹہ اور بیٹھ جاتے ہیں۔ انہوں نے جو وقت لینا ہے وہ لے لیں۔

جناب پریذائیڈنگ آفیسر: کل یوں کریں گے کہ ہمارے بزنس کا جو پہلا گھنٹہ ہو گا وہ ہم وزیر صاحب کو دیں گے تاکہ وہ اپنی winding up تقریر کر لیں اور جیسا کہ انہوں نے فرمایا کہ کچھ تقاریر آج بہت ہی اچھی اور پرمغز ہوئیں یقیناً ان کے نکات ان کے ذہن میں ہیں اور ان پر بھی انہوں نے کچھ بولنا ہو گا تو میرے خیال میں ان کا ارشاد درست ہے۔ میں ایوان کو ایڈجرن کرتا ہوں۔ اور کل دس بجے.....

سید عبد اللہ شاہ: پوائنٹ آف آرڈر جناب والا! اس میں جناب شاید ایک تکلیف ہو کیوں کہ جس دن ہم جناب صدر کے خطاب پر بحث کرتے ہیں تو اس پر وقفہ سوالات بھی نہیں ہوتا ہے اور تحاریک التوا بھی نہیں ہوتیں تو

I would like to know whether we are going to have Question Hour tomorrow or not because the mixing up of business we cannot afford. Either you have the Presidential Address for the whole day tomorrow or you have legislation?

(interruption)

جناب پریذائیڈنگ آفیسر: دیکھیں یہ بہت اہم مسئلہ تھا جو کہ آج وائنڈ اپ ہونا تھا لیکن کچھ اصحاب کو مزید تقاریر کا کہا گیا۔ انہوں نے تقاریر کیں جب کہ اس سے قبل ان کا نام نہیں تھا۔ میں سمجھتا ہوں یہ سیر حاصل بحث جو آج ہوئی ہے اس کے پیش نظر اس اہم مسئلے کو کل کے لئے اٹھا رکھتے ہیں۔

(مداخلت)

جناب پریذائیڈنگ آفیسر: مجھے کچھ کہنے دیجیئے، میں عرض کرتا ہوں کہ بہتر یہ ہو گا اور یہ آپ کے consensus سے میں سمجھتا ہوں کہ ہم کل اس کو پہلا گھنٹہ دے دیں اور اس کے بعد اپنا باقی بزنس شروع کر دیں، جی آغا صاحب۔

انجنیئر سید محمد فضل آغا: جناب والا! میں آپ کا شکر گزار ہوں۔ گزارش یہ ہے کہ آپ نے بالکل صحیح فرمایا ہے کہ صدر صاحب کی تقریر کو wind up کرنے کے لئے، جس طرح محترم وزیر صاحب نے نوٹس لئے ہیں اور ان کو تفصیل سے جواب بھی دینا چاہیئے اور وہ دیں گے بھی، اس کے لئے ایک گھنٹہ درکار ہے اور اس کیلئے consensus یہی ہے کہ کل صبح اس کو لیں گے۔ لیکن چونکہ پچھلے ایک ہفتے سے وقفہ سوالات نہیں ہوا تو کل صدر صاحب کے خطاب پر بحث کی وائنڈنگ اپ کے بعد جب بزنس شروع ہو تو باقاعدہ طریقے سے شروع ہو۔ پہلے آپ وقفہ سوالات لیں اور اس کے بعد باقی بزنس چلائیں، اس میں کوئی قباحت

نہیں ہے۔

جناب پریذائیڈنگ آفیسر: بہتر ہے یہ تجویز میں سمجھتا ہوں کہ بہتر ہے۔

چوہدری عبدالغفور: سر! گزارش یہ ہے کہ ایک ہفتے سے زائد عرصے سے صدر صاحب کے خطاب پر بحث جاری ہے۔ اور یہ ہم نے اپنے فاضل ممبران کے تقدس کو بحال رکھتے ہوئے، ان کی آراء کا خیال کرتے ہوئے کسی بات پر اختلاف نہیں کیا۔ جتنی دیر یہ چاہیں یہ بولیں۔ جتنی دیر مناسب سمجھیں ٹائم مقرر کریں، لیکن میں یہ بھی گزارش کروں گا کہ یہاں ہم تقاریر کرتے ہیں اور صدر کے خطاب پر دنیا جہاں کی ہر چیز کو زیر بحث لایا جا سکتا ہے جس طرح کے بجٹ کی تقریر پر ہو سکتا ہے۔ کبھی کسی کو روکا نہیں جا سکتا کہ یہ irrelevant ہے یا پوائنٹ پر نہیں بول رہے۔ جس نے چاہا ہم نے اس کو سنا۔ لیکن یہ بات اس لئے ضروری ہوتی ہے کہ رولز جیسے بنائے جاتے ہوں کہ جب صدر کا خطاب ہو اس پر وقفہ سوالات کی ضرورت نہیں رہتی کیونکہ جن باتوں پر آپ نے حکومت کو تنقید کا نشانہ بنانا ہے، ان کا محاسبہ کرنا ہے، آپ وہ تقاریر کے ذریعے کر رہے ہیں۔ اس لئے مزید سوال و جواب کی ضرورت نہیں رہتی۔ اس لئے میں جاننا چاہوں گا کہ کیا اس محترم سینٹ کا یہ بھی کام ہے کہ تمام اجلاس میں جو کب سے شروع ہے کوئی ایک دو دن لیجسلیشن کے لئے مل سکتے ہیں کہ نہیں۔ اور یہ بات اتفاق رائے سے طے تھی کہ ہم نے دو دن exclusively کل کا اور پرسوں کا، یہ سارے حضرات نے طے کیا تھا کہ ہم لیجسلیشن کے لئے وقف کریں گے تاکہ جمعرات کا دن ہم ان کے پرائیویٹ ممبران کو دے سکیں، compensate کر سکیں۔ یہ آج کا دن، ان کی تقاریر لمبی ہوتی چلی گئیں اور نئے ہمارے کچھ مزید دوستوں کے آنے کی وجہ سے، ہم نے کہا کہ ٹھیک ہے جتنی مرضی چاہیں کریں لیکن ہم تو ایک گھنٹہ کل کا مانگ رہے ہیں، اس میں سے جو لیجسلیشن کے لئے طے تھا۔ اس میں سے آپ سے مانگ رہے ہیں جو ان سے طے تھا کہ دو دن مکمل لیجسلیشن کریں گے۔ اور اس کے بعد پرائیویٹ ممبرز ڈے دیں گے۔ اس لئے میں گزارش اپنے محترم حضرات سے کروں گا کہ ہم نے ہر شکل میں accommodate کیا، جتنی تقاریر کریں، جتنے دن کریں، جب کہیں کہ ختم کریں ہم ختم کریں گے، اس کے بعد ہم وائنڈ اپ کریں گے۔ یہ واقعی ہمارے محترم ممبر نے ٹھیک کہا کہ اگر یہی گھنٹہ درکار ہے تو میں ابھی کہہ دیتا ہوں۔ یہی بات جو انہوں نے کہی

ہے اگر repeat کرنی ہے تو میں ابھی کہہ دیتا ہوں لیکن ایک گھنٹہ کی تقریر اگر مجھ سے کروانی درکار ہے تو سر بات یہ ہے کہ ......

(مداخلت)

چوہدری عبدالغفور: اور اس کے بعد کل کا دن چونکہ اس لسٹ کی کارروائی میں آئے گا، اس کے بعد آپ کا وقفہ سوالات بھی شروع ہو گا، پرائیویٹ ممبرز ڈے بھی آئے گا۔ کل کا دن صرف ایک گھنٹہ اس کے لئے کر کے، وقفہ سوالات کی کل ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ کل وہ اس لئے کہہ رہے ہیں کہ کل ہم کچھ لیجسلیشن کر لیں گے۔ یہ agreed تھے۔ یہ agreed ہیں۔ اس لئے اس کے بعد پرسوں سے وقفہ سوالات بھی ہو گا، پرائیویٹ ممبرز ڈے بھی ہو گا۔ ساری چیزیں اسی طریقے سے ہوں گی، آپ سے گزارش ہے کہ کل وقفہ سوالات نہ کریں۔

انجنیئر سید محمد فضل آغا: جی ٹھیک ہے، کل پھر questions table نہیں کریں ناں جی۔

چوہدری عبدالغفور: ٹھیک ہے جی نہیں ٹیبل کرتے ہیں۔

جناب منظور احمد گچکی: جناب والا! کل اگر وہ ٹیبل نہیں کرتے ہیں تو پھر تو یہ ہو گا کہ صرف تین دن ہمیں ملیں گے، بلکہ دو دن ہوں گے کیونکہ پھر بعد میں پرائیویٹ ممبرز ڈے ہو گا۔ دو دن میں کیا سوالات آئیں گے۔

جناب پریذائیڈنگ آفیسر: نہیں تین دن ہوں گے۔

جناب منظور احمد گچکی: پھر جمعرات کو تو ختم ہو گا اجلاس 4 تاریخ تک ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ اس سے بچنے کے لئے کیوں اس پر زور دیتے ہیں، جب ممبران راضی ہیں اس پر بیٹھے ہوئے ہیں، نوٹس لئے ہوئے ہیں۔

جناب پریذائیڈنگ آفیسر: سوالات صرف اتوار کے دن نہیں آتے، جیسے آپ فرما رہے ہیں باقی تمام ہفتے کے جتنے دن ہیں ان میں آئیں گے۔

جناب منظور احمد گجکی: جناب! اتوار کو اس لئے نہیں آتا کہ پرائیویٹ ممبرز ڈے ہے- جس دن آپ پرائیویٹ ممبرز ڈے رکھیں گے اس دن وقفہ سوالات تو نہیں ہو گا ناں- اب دیکھیئے ناں پرسوں ہو گا، ترسوں ہو گا، اس کے بعد کوئی وقفہ سوالات نہیں ہو گا، کچھ نہیں ہو گا- وزراء صاحبان بیٹھے نہیں ہیں، اس سے avoid کرتے ہیں- آج کا دن کاٹا ہے انہوں نے، کل ہمارا ایک اور دن .....؟

جناب پریذائیڈنگ آفیسر: نہیں کل صرف ہمارا ایک گھنٹہ جائے گا اس میں-

جناب منظور احمد گجکی: نہیں سر وہ question hour suspend ہو گا ناں جی-

جناب پریذائیڈنگ آفیسر: ہاں وہ تو ہو گا-

جناب منظور احمد گجکی: نہیں ہو گا جی، کیسے ہو گا- کل ہونا چاہیئے-

چوہدری عبدالغفور: یہ رولز کے تحت نہیں ہو سکتا ہے- قانوناً نہیں ہو سکتا-

جناب منظور احمد گجکی: یہ صحیح ہے صدر صاحب کے خطاب پر تقریر ہو گی تو وقفہ سوالات نہیں ہو گا- اب سوال یہ ہے کہ ہم بیٹھے ہوئے ہیں، ہمیں تو کم از کم کوئی اعتراض نہیں ہے-

(مداخلت)

چوہدری عبدالغفور: ابھی میں وائنڈ اپ تقریر کر بھی لوں- اس کے بعد amendments پر ڈیبیٹ ہونی ہے- amendments بھی آنی ہیں- اس کے بعد ریزولیوشن بھی آنی ہیں- اس لئے آج اگر آپ چاہتے ہیں تو کر لیتے ہیں- یہ

افطاری کے بعد رکھ لیں۔ افطاری کے بعد اگر آپ واپس آنا چاہیں تو رکھ لیتے لیں۔ لیکن میں یہ عرض کرنا چاہوں گا کہ یہ بات کیوں میرے فاضل دوست بھول جاتے ہیں کہ ہم ہر طریقے سے accommodate کرتے ہیں۔ کل as per rule نہیں آئیں گے کیونکہ کل تو ابھی amendment آئیں گی۔ ہماری وائنڈ اپ ہو جائے گی، اس کے بعد ریزولیوشن آئے گی، اس کے بعد amendment آئے گی، تو کافی وقت لگے گا۔ ابھی صدر کے خطاب پر تقریر یہ ایک بجے ختم کر دیتے تو میں دو بجے تک اس کو وائنڈ اپ کر لیتا۔ لیجسلیشن کے لئے سر کل دو دن ہمارے وقف ہو چکے ہیں، پھر تو آدھا گھنٹہ بھی نہیں ملے گا لیجسلیشن کے لئے۔ پھر اس پورے اجلاس کا فائدہ کیا ہو گا؟ گورنمنٹ نے اس اجلاس سے حاصل کیا کیا؟

جناب پریذائیڈنگ آفیسر: آپ کی اس تمام گفتگو اور آراء کے بعد میں سمجھتا ہوں کہ

The House is adjourned to meet again at ten o' clock in the morning.

[The House adjourned to meet again at 10, o' clock in the morning on Monday, 1st March, 1993.]

PCPPI—193(96) Senate—4-2-96—180.